بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام

امن وسلامتی کا مذہب

تصنیف

مولانا محمد الیاس خان نوری

(فاضل علوم اسلامیہ کانپور، یو پی)

فیضان رضا منزل، آشیانہ پارک

مقام و پوسٹ: رتن پور، تعلقہ ماتر ضلع کھیڑا

گجرات، پن کوڈ نمبر۔ ۳۸۷۵۷۰

ناشر

قاری کتاب گھر

شاہ عالم احمد آباد (گجرات)

نوٹ

میری تمام تصنیف وتالیف بلاترمیم کوئی بھی کتب خانہ یاادارہ شائع کرسکتا ہے۔میری طرف سے اجازت ہے۔(الیاس نوری)

نام کتاب	:	اسلام امن وسلامتی کا مذہب
تصنیف وتالیف	:	مولانا محمد الیاس خان نوری
پروف ریڈنگ	:	مولانا محمد آفتاب احمد رضوی
حروف ساز	:	محمد صغیراحمد مصباحی
ناشر	:	قاری کتاب گھر،شاہ عالم احمدآباد(گجرات)
صفحات	:	۲۰۰
سن اشاعت	:	۱۴۴۷ھ/۲۰۲۵ء

کتاب ملنے کے پتے

(۱)محمد انظر عالم انصاری

قاری کتاب گھر

شاہ عالم،احمدآباد،گجرات،موبائل نمبر:9662219009

(۲)محمد حسنین خان

آشیانہ پارک،رتن پور،کھیڑا،گجرات،موبائل نمبر:8128786092

(۳)پٹیل شبیر علی رضوی

انجمن رضائے مصطفےٰ،دیادرا،بھروچ،موبائل نمبر:9427464411

آئینہ کتاب

انتساب

اسلام کے ان علمبرداروں کے نام
جو پوری دنیا میں اِسلامی انقلاب کے لئے
مصروف جہاد ہیں

محمد الیاس نوری

نذرانۂ عقیدت

اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ
رحمت ونور میں ایک ناکارہ امتی کا نذرانۂ عقیدت

اے پژمردہ انسانیت کو حیاتِ نو عطا کرنے والے مسیحا!
آپ کا یہ گنہگار امتی آپ کی بارگاہِ عالی میں عقیدت
کے چند پھول لے کر حاضر ہوا ہے۔ اسے قبول فرمائیں۔

واسطہ حسنین کا کر لیجئے قبول
لایا ہوں میں خلوص وعقیدت کے چند پھول

بندۂ عاصی
الیاس نوری

گلہائے عقیدت

انتہائی ادب واحترام کے ساتھ اپنے
اساتذۂ کرام کی خدمت میں

جنھوں نے ہم کو لکھنے پڑھنے کا شعور بخشا
اور دین اسلام کی سمجھ عطا فرمائی

خاک پا
الیاس نوری

حرفِ اوّلیں

اِس دنیا میں ہر انسان کسی نہ کسی مذہب سے ضرور تعلق رکھتا ہے لیکن اس کا مذہب کیا ہے اور اس کے مذہب کے پیغام کیا ہیں اس سے وہ بالکل بے خبر ہے۔لوگ آج کل صرف اپنی پہچان کے لئے کسی نہ کسی مذہب سے جڑے ہوئے ہیں، ورنہ مذہب کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کسی بھی مذہب کو مانتے ہی نہیں ایسے لوگوں کو دہریہ کہا جاتا ہے۔دہریت خود ایک مذہب ہے (مذہب کو نہ ماننے والوں کا) مذہب کے بغیر دنیا میں انسان کا گزارا نہیں ہوسکتا۔

ہزاروں ادیان ومذاہب کے بننے اور بگڑنے کے بعد خدا نے اپنا پسندیدہ دین (اسلام) اپنے رسول برحق کے ذریعہ ہم تک پہنچایا، اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم سب کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرما کر مذہب اسلام جیسی عظیم دولت سے نوازا۔لاکھوں درود وسلام ہوں اس محسن انسانیت نبی رحمت پر جس نے دنیا سے بری رسموں کو مٹا کر اسلام جیسا صاف ستھرا سماج اور پاکیزہ دین عطا فرمایا۔کروڑوں رحمتیں ہوں اس امیر کارواں پر جس نے قافلۂ انسانیت کو صحیح منزل کا پتہ دیا۔بے شمار سلام ہو اس پیغمبر اول وآخر پر جس نے بندوں کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو خدا سے جوڑ کر صحیح بندگی کا انسانوں کو شعور بخشا۔

آج کے اس دورِ الحاد میں لادینیت بڑھ رہی ہے اور مسلمان دینی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وتمدن سے روز بروز دور ہوتے چلے جارہے ہیں، انھیں اس کے سوا کچھ اور معلوم نہیں کہ میرا مذہب اسلام ہے مگر اسلام کیا سکھاتا ہے اور اس کے پیغام کیا ہیں اس سے آج کا مسلمان بے خبر ہے۔اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ آج مسلمان مسلمان کہلانا بھی پسند نہیں کرتا۔مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ دیگر اقوام کی طرح ہم بھی ہیں اور ہمارے ان کے درمیان صرف تین فرق ہے۔(۱) پیدائش پر ختنہ (۲) شادی کے وقت نکاح (۳) مرنے کے بعد جنازہ۔اس سے زیادہ فرق اسے نظر نہیں آتا اور نہ ہی اس سے زیادہ دین کی اس کو

ضرورت ہے ،اگر ضرورت سمجھتا تو اسلام کو اپنی زندگی کا دستور سمجھ کر اپنا تا۔ آج تعلیم ، تہذیب، رہن سہن، شکل وصورت سے ایک مسلمان کی پہچان بہت مشکل ہے۔

اسلام تا قیامت انسانی برادری کی ضرورت بن کر آیا اسے اپنانے والے چرواہے سے تاجدار اور جاہل سے عالم بن گئے مگر ہم جاہل کے جاہل ہی رہے۔ اسلام کی روشنی دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی مگر ہم ابھی تک تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، کیوں بھٹک رہے ہیں، یہ ایک سوال ہے جس کا جواب آپ پر چھوڑ دیتا ہوں۔

یہ دیکھ کر بے حد افسوس ہوتا ہے کہ آج ہمارے نوجوانوں میں دینی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق وشوق ختم ہورہا ہے۔ یا رلوگ اس قدر کارِ دنیا میں مصروف ہیں کہ اب انھیں اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا وقت ہی نہیں ملتا۔ حالانکہ فحش لٹریچر، فلمی کہانیاں اور اخلاق سوز ناولوں کے پڑھنے کا ان کے پاس وقت ہے۔ خریدنے کے لئے پیسہ ہے مگر دینی لٹریچر کو خرید کر پڑھنے کے لئے نہ تو پیسہ ہے اور نہ ہی پڑھنے کے لئے وقت ہے۔ کاش! ہمارے نوجوان افسانے اور ناولوں کے بجائے اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرتے تو یہ ان کے لئے بے حد مفید ثابت ہوتا۔ آج اگر باشعور اور تعلیم یافتہ طبقہ میں مطالعہ کا ذوق وشوق پیدا ہوجائے تو انھیں اسلام کے موضوعات پر بہت معلومات حاصل ہوسکتی ہے اور وہ اسلام کی دی ہوئی تعلیمات سے اپنے دین اور دنیا کو سنوار سکتا ہے۔ اس لئے میں آپ کو ایسے گمراہ کن ماحول میں نظریات وایمان کی تحفظ کے لئے اسلامی کتابوں کے مطالعہ کا دعوت دیتا ہوں۔ اگر آپ کے پاس وقت نہ ہو تو بھی آپ تھوڑا سا وقت نکال کر روزانہ سوتے وقت اسلامی کتابوں کے مطالعہ کا معمول بنالیں۔ یہ وقت بہت ہی عمدہ ہے۔ بزرگوں کا فرمان ہے رات کو پڑھنا دل پر نقش ہوتا ہے۔ نیز حق بات خواہ وہ آپ کو کڑوی ہی کیوں نہ لگے بلا جھجھک اس کو قبول کرلیں کیوں کہ حقانیت اور سچائی ہی کو قبول کرنا مطالعہ کا اصل مقصد ہے۔

پٹیل شبیر علی رضوی

جنرل سکریٹری انجمن رضائے مصطفیٰ، دیا درا، ضلع بھروچ، گجرات

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اسلام ایک ایسا دین ہے جو انسان کی فکری، روحانی، اخلاقی اور تمام معاشرتی زندگی کے سبھی پہلوؤں کو روشن کرتا ہے۔ یہ صرف چند عبادات یا مخصوص رسومات کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانیت کی فلاح کا ایک مکمل اور جامع نظام ہے۔ موجودہ دور میں اسلام کے پیغام کو بگاڑ کر پیش کرنا، اس کے بنیادی اصولوں کو مسخ کرنا اور اس کی تعلیمات کو غلط فہمی کا شکار کرنا ایک عالمی رجحان بنتا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں یہ انتہائی ضروری ہو گیا ہے کہ اسلام کی اصل روح، اس کی بنیادی تعلیمات اور اس کا معتدل منصفانہ پیغام عام قارئین کے سامنے صحیح صورت میں رکھا جائے۔

یہ کتاب اسی مقصد کے پیش نظر تالیف کی گئی ہے۔ اس میں اسلام کے نو بنیادی اور اہم ترین موضوعات کو منتخب کیا گیا ہے۔ اسلام کی آفاقیت، اس کا عالم گیر جامع نظام، توحید کا روشن تصور، جمہوریت کے تقاضے، عدل وانصاف، مساوات اور انسانی برابری، عورت کا حقیقی مقام، جہاد کا صحیح معنی اور مفہوم۔ رہبانیت کے نتائج، انسداد جرائم اور اسلامی معاشرت کا پاکیزہ نظام۔ ہر باب میں کوشش کی گئی ہے کہ قرآن و سنت اور تاریخ کی روشنی میں ان موضوعات کی وضاحت کی جائے تا کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو اور قاری کو اسلام کی خوبصورت اور حقیقت پسندانہ تصویر نظر آئے۔ اس کتاب میں علمی تحقیق اور دعوتی اسلوب دونوں پہلوؤں کا امتزاج رکھا گیا ہے تا کہ یہ کتاب ہر کسی کے مطالعہ میں یکساں مفید ثابت ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے، اسے ہمارے لئے ذریعۂ مغفرت واجر بنائے اور اسے ان تمام قارئین

کے لئے نافع اور رہنما بنائے جو حق کی تلاش میں ہیں۔

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلام کے حقیقی اور مثبت چہرے کو قارئین کے سامنے سادہ، مدلل اور جامع انداز میں پیش کیا جائے۔ میں نے ہمیشہ محسوس کیا کہ آج کے دور میں اسلام کو سمجھنے کے لئے یا تو بہت ثقیل مواد دستیاب ہیں یا پھر سطحی اور غیر تحقیقی تحریریں۔ ان دونوں کے درمیان ایک معتدل، واضح اور عام فہم کتاب کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، یہ کتاب اس خلا کو پُر کرنے کی ایک کوشش ہے۔

کتاب میں شامل ہر موضوع کو میں نے نہ صرف علمی اعتبار سے بلکہ قاری کی ذہنی سہولت کو سامنے رکھتے ہوئے پیش کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ کتاب نوجوانوں کے لئے، طلبہ، محققین اور دعوتی میدان میں سرگرم افراد کیلئے ایک بنیادی اور مضبوط حوالہ ثابت ہو۔

اگر اس تحریر کے ذریعہ کسی ایک شخص کے ذہن سے بھی کوئی غلط فہمی دور ہو جائے یا کسی کے دل میں اسلام کی محبت اور ہدایت کی روشنی پیدا ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت بارآور ہوئی۔ میں اس کوشش کو اللہ کی رضا کیلئے پیش کرتا ہوں اور اسی کے حضور اپنی تمام کمیوں اور غلطیوں کے لئے مغفرت کا طلبگار ہوں۔

طالب دعا

محمد الیاس خان نوری

(فاضل علوم اسلامیہ کانپور)

مقیم حال: رتن پور، کھیڑا، گجرات

تعارف وتبصرہ

بتوں کے شہر میں جا کر خدا کا نام لکھ دینا
جہاں پر کفر لکھا ہے وہاں اسلام لکھ دینا

مذہب اسلام کو دنیا میں آئے ہوئے چودہ سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس عرصے میں اسلام کو جن جن فتنوں اور مصائب سے دو چار ہونا پڑا اگر کسی دوسرے مذہب کو ان سے واسطہ پڑتا تو وہ اسے فنا کر کے رکھ دیتے اور اس کی خاک تک کو مخالف ہوائیں اڑا چکی ہوتیں۔ مگر الحمدللہ اسلام ان تیز وتند طوفانوں میں ایک مستحکم ومضبوط چٹان اور پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم ودائم رہا اور وقت کے بڑے بڑے سرکش فرعون اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

اسلام دنیا کا پہلا اور آخری مذہب ہے جس میں ضروریاتِ زندگی (خواہ وہ دینی ہو یا دنیاوی) کا تمام سامان موجود ہے اور جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک چشمۂ رحمت بن کر آیا ہے۔ اسلام کا تصور ہی انسان کو انسان بنائے رکھتا ہے جو تقویٰ، پرہیز گاری، عدل وانصاف، محبت رواداری، ایثار وقربانی، احترام انسانیت، اخلاص وصداقت، خشیت الٰہی اور رحمت باری تعالیٰ کی امیدوں کے چراغ دل ودماغ میں روشن کر دیتا ہے۔

جہاں پیغام اسلام سے قوم بے خبر ہو وہاں انسان انسانیت سے عاری ہو جاتا ہے۔ حکمراں ہوتا ہے مگر ظالم بھی، افسر اعلیٰ ہوتا ہے مگر رشوت خور بھی، سیاست داں ہوتا ہے مگر ضمیر فروش بھی، تاجر ہوتا ہے مگر فریب کار بھی، ڈاکٹر ہوتا ہے مگر خدمت خلق سے عاری بھی، پڑوسی ہوتا ہے مگر حقوق ہمسایہ سے بے بہرہ بھی، عالم ہوتا ہے مگر بے عمل بھی، مرشدان گرامی کا مقدس لباس پہن تو لیتا ہے مگر یاد الٰہی سے غافل بھی،

مطلب یہ ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر آدمی آدمیت کے مفہوم سے نا آشنا ہوجاتا ہے۔

''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' کے تحت میں مزید کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ بس صرف اتنا ہی عرض خدمت ہے کہ اگر آپ اسلام کا آفاقی پیغام سمجھنا چاہتے ہیں تو ورق الٹئے اور اس کتاب کو از ابتدا تا انتہا مطالعہ کیجئے۔ محب گرامی حضرت مولانا الحاج محمد الیاس خاں صاحب نوری مدظلہ العالی نے دریا کو کوزے میں سمیٹ دیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے اسلام کی ہمہ گیر افادیت کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا موصوف چونکہ ہمارے ہم سبق ساتھیوں میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب رہے اس لئے ان کے تعارف میں کچھ کہنے کا زیادہ حق مجھے ہی ہے۔ یو پی ضلع بلرام پور کی تحصیل تلسی پور کے جنوب میں شنکر پور نام کا ایک چھوٹا سا دیہات ہے۔ یہی دیہات حضرت مولانا الحاج محمد الیاس خاں صاحب نوری کا آبائی گاؤں ہے۔ اسی گاؤں کے مکتب میں حضرت مولانا موصوف جب درجہ پرائمری میں پڑھ رہے تھے اس وقت ایک صوفی بزرگ ان کے یہاں تشریف لائے اور ان کے دادا سے کہنے لگے۔ خان صاحب! اس بچے کو آپ عالم دین بنائیں۔ دادا مرحوم جوان دنوں بقید حیات تھے بزرگ کی باتوں پر عمل کئے اور مولانا کو عالم دین بنانے کی دل میں ٹھان لی۔ یہاں تک کہ دادا مرحوم اور والد گرامی کے زیر سایہ مولانا موصوف نے علوم اسلامیہ کی تمام مدارج طے کئے اور ۷/رجون ۱۹۸۰ء میں ملک کے مایہ ناز علمائے اسلام نے اپنے مقدس ہاتھوں سے مولانا موصوف کے سر پر نیابت رسول کا تاج رکھا اور خدمت اسلام کی ذمہ داری سونپی۔ فراغت کے بعد آپ گجرات میں درس وتدریس، امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیئے۔ ۸/رجون ۱۹۹۰ء میں کربلا، بغداد، نجف اشرف، کوفہ اور عراق کے تمام مقدس مقامات کی زیارت سے مشرف ہوتے ہوئے حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ حج سے واپسی کے بعد حجاج کرام کی رہنمائی کے لئے مہمان حرم کے نام

سے ایک تفصیلی کتاب تحریر کر کے اپنے استاذ گرامی کی خدمت میں تصحیح کے لئے پیش کیا جس پر استاذ گرامی ،فقیہ العصر حضرت مولانا الحاج مفتی حفیظ اللہ خاں صاحب قبلہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ بہت ہی خوش ہوئے اور مبارکبادی کا خط لکھ کر بہت بہت دعائیں دیں۔

مولانا موصوف کی پہلی تصنیف ''تحفۂ اسلام'' ہے جس میں اسلام کے بنیادی ارکان کا بیان ہے۔دوسری کتاب اسلام ہی کے موضوع پر تحریر کی ہے جو''اسلام ایک انٹرنیشنل مذہب'' کے نام سے شائع ہوئی اور تیسری کتاب مزارات اولیاء پر ہونے والے خرافات اور بے ہودہ رسم ورواج پر تصنیف کی جو''مزاروں پہ حاضری کا شرعی طریقہ'' کے نام سے گجراتی زبان میں شائع ہوئی اور بے حد مقبول ہوئی لیکن ساتھ ہی ساتھ مجاورانہ ذہنیت رکھنے والے جاہلوں کی طرف سے بہت سے مخالفتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر مولانا کسی کو بھی خاطر میں نہ لائے اور ایک بے باک حق گومجاہد کی طرح اپنی تقریر وتحریر سے اعلاء کلمۃ الحق کرتے رہے۔یہاں تک کہ پیغام حق وصداقت بلند کرنے کے جرم میں ایک مرتبہ ان کو علی راج پور (ایم پی) میں عدالت کے کٹگھرے میں بھی کھڑا کیا گیا مگر پھر بھی کوئی طاقت حق گوئی سے مولانا کو باز نہ رکھ سکی۔اسی لئے مولانا کا نام جب بھی زبان پر آتا ہے تو افق ذہن پر ایک حق گو اور نڈر مبلغ وخطیب کا تصور ابھر آتا ہے جس کی بے مثال خطابت سے بے شمار تاریک دلوں کو ایمان واسلام کی روشنی ملی۔مولانا موصوف کی اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جیسے نماز اور میڈیکل سائنس،ہم سے پوچھئے ،نوری مجالس اور صدائے منبر وغیرہ وغیرہ جو آج بھی قارئین کرام استفادہ کررہے ہیں۔یہ کتابیں ہر خاص وعام کے لئے یکساں مفید ہیں اور سب کے لئے مشعل راہ ہیں۔

خادم ملت: (مولانا) سمیع اللہ خان نعیمی

(فاضل علوم اسلامیہ کانپور، یوپی)

اظہارِ حقیقت

آج اسلام بیداری کی اٹھتی ہوئی لہر سے غیر مسلم ممالک بالخصوص امریکہ اور مغربی ممالک خوفزدہ ہیں اور صرف اس لئے خوفزدہ ہیں کہ وہ شعوری طور پر اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ ان کے خودساختہ دستور اور اس پر مبنی سماجی ومعاشی اور سیاسی نظام کے لئے اسلام ہی حقیقی خطرہ ہے۔ اسی لئے پوری دنیا میں اپنے استنجائی اخبار ورسائل اور دجالی میڈیا کے ذریعہ وہ اسلام اور مسلمان کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کررہے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے بدظن ہوجائیں اور اسے قبول نہ کریں۔

واضح ہو کہ امریکہ، اسرائیل اور مغربی ممالک اسلام کے سب سے بڑے حریف ہیں، یہودیت اور عیسائیت کی نظر میں اسلام کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے۔ ہلال وصلیب کے معرکے اس بات کے شاہد ہیں کہ ماضی میں اسلام اور عیسائیت میں زبردست معرکے ہوئے ہیں اور آج بھی کفر واسلام کی یہ جنگ جاری ہے، صرف میدان جنگ اور طریقۂ جنگ بدل گیا ہے۔ امریکہ اور یورپ کے ممالک پوری کوشش کررہے ہیں کہ اس وقت پوری دنیا میں جو اسلامی بیداری پیدا ہوئی ہے، اسے اسلامی دہشت گردی کا نام دے دیں۔ چونکہ امریکہ، برطانیہ اور اسرائیل سدا ہی سے اسلام دشمنی میں پیش پیش رہے ہیں، اس لئے وہ اسلام بیداری کی لہر کو دہشت گردی کا نام دے کر کچل دینے کی تیاریاں کررہے ہیں جبکہ اسلامی دہشت گردی کا دنیا میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اسلام دہشت گردی کا سخت مخالف ہے اور تشدد وخون ریزی کی اجازت کسی بھی حال میں نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں اسلام کے نام پر دہشت گردی پنپ ہی نہیں سکتی اور نہ ہی کسی ملک میں اسلامی دہشت گردی ہے لیکن پھر بھی اسلامی دہشت گردی کا نام لے کر اس بات کا ڈھنڈھورا پیٹا جارہا ہے کہ پوری دنیا اسلامی دہشت

گردی کے نرغے میں ہے، اگر اس پر قابو نہیں پایا گیا تو نتیجہ پوری دنیا کے لئے بہت خطرناک ہوگا۔ دراصل یہ امریکی اور مغربی بیمار ذہن کا اسلام پر ایک افترا ہے، دجالی میڈیا کا اسلام کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آج جتنے بھی غیر مسلم ممالک ہیں وہ اسلام کو دیگر مذاہب کی طرح ایک دھرم یا ریلجن (Religion) سمجھتے ہیں جبکہ اسلام ایک مکمل دین اور ضابطۂ حیات ہے اور دین ایک ایسا جامع اور وسیع المعنی لفظ ہے جس کو سمجھنے کے لئے لفظ ''دین'' کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ ہی نہیں ہے جس سے اسلام کو سمجھا جائے اور اگر اسلام دھرم ہوتا تو اس میں عبادت کے سوا کچھ نہ ہوتا مگر اسلام دھرم نہیں بلکہ ایک جامع دستور حیات اور مکمل دین ہے اور دین کا کام یہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر تمہاری رہنمائی کرے۔ اس حیثیت سے اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور بہترین جامع نظام ہے جو فرد، معاشرہ اور سیاست سب پر یکساں طور پر محیط ہے اور اس کا اپنا ایک دستور ہے جس کا شارع بھی وہی ہے جو اس کائنات کا تنہا خالق و مالک ہے اور جو صرف خالق و مالک ہی نہیں بلکہ مربی و پروردگار بھی ہے۔ اس کی رحمت سب کے لئے عام ہے۔ زمین و آسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے وہ بلا شرکت غیر اسی کا ہے۔ کسی غیر اللہ کو اس پر حکومت کا کوئی حق نہیں۔ انسان اس کا خلیفہ ہے جسے صرف اس لئے زمین پر اتارا گیا ہے کہ وہ اس کے بنائے ہوئے قانون (اسلام) کے مطابق اس کی خلافت قائم کرے اور مہد سے لحد تک کی پوری زندگی صرف اسی کی مرضی کے مطابق گزارے۔ وہ جو خالق ہے، احکم الحاکمین ہے پربھو، پرمیشور، بھگوان نہیں۔ اس کا نام اللہ ہے اور صرف اسی ہی نام سے اس کو پکارنا چاہئے۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ عبادت میں۔ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے پیغمبر بھیجے اور ہمیں عقل دی کہ ہم اچھے اور برے، صحیح اور غلط کو پہچان سکیں۔ اور عقل وارادہ دیا کہ

ہدایت وگمراہی میں سے جسے چاہیں منتخب کرلیں اور اس نے ہمارے لئے ایک دن (قیامت) مقرر کیا کہ اس دن ہم سے ہمارے کئے کا حساب لیا جائے گا اور پھر اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔لہٰذا اس کی دی ہوئی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارنے یا اس کی حلال کردہ نعمتوں کو اپنی مرضی سے خود پر حرام کر لینے کی کوئی بھی کوشش کفرانِ نعمت اور اس کی حکومت سے بغاوت کے مترادف ہے اور ایسے کسی بھی باغی اور رہبانی نظریئے کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مذہب ایک روحانی چیز ہے اور اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ سے انسان کا رشتہ استوار کرے اور یہ کام اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب انسان اور اللہ کے درمیان آنے والی ہر شئے کو نظر انداز کردیا جائے۔لہٰذا مادہ اور دنیا کی نفی کئے بغیر روحانیت کے منصب پر فائز نہیں ہوا جاسکتا۔رہبانیت ،ترک لذات، برہم چاری اور جوگن بننے کا تصور لوگوں کی اسی غلط توجیہہ کا نتیجہ ہے جس کا اصلیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔اس سلسلے میں اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ روحانیت کا راستہ اسی دنیا اور اسی دنیاوی زندگی کے درمیان سے ہوکر گزرتا ہے۔

موجودہ سیاست دانوں کا ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ مذہب اور سیاست دونوں الگ الگ چیزیں ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور سیاست اس کا ایک محکمہ ہے۔بالفاظ دیگر سیاست مذہب (اسلام) کا ایک جز اور حصہ ہے جسے مذہب سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ہاں آپ اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ آج کی سیاست عقل عیار کی وضع کردہ سیاست ہے اس لئے وہ بالکل گندی ہوچکی ہے۔ ایسی غلیظ وگندی سیاست سے اسلامی سیاست کو ذرا بھی واسطہ نہیں۔اسلام نے صاف ستھرا اور پاکیزہ سیاست کا درس دیا ہے جس میں احترام انسانیت ،عدل وانصاف، انسانی مساوات غیر جانبداری اور حقوق انسانی کا تحفظ وغیرہ شامل ہے۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا دیں سے سیاست ہوتو رہ جاتی چنگیزی

حکومت بادشاہت کی شکل میں ہو یا جمہوریت (عوامی حکومت) کی صورت میں ہو، دونوں میں سے کوئی نظام بذات خود کامل یا مثالی نہیں ہے۔اصل چیز یہ نہیں کہ حکومت کا نظام کون سا ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد کس چیز پر رکھی گئی ہے۔اگر حکومت اللہ کے احکام اور دینی اصولوں کے مطابق چلائی جائے تو چاہے وہ بادشاہت ہو یا جمہوریت وہ عادلانہ ہوگی لیکن اگر دین سے علاحدہ ہوتو وہ ظلم پر مبنی ہوگی جیسے ہلاکو اور چنگیز خان کا نظام، مسولینی اور ہٹلر کا نظام جس کی بنیاد ظلم اور خونریزی پر تھی۔

یاد رکھئے! دین کے بغیر سیاست اندھی طاقت بن جاتی ہے جب سیاست سے دین نکال دیا جائے تو وہ ظالمانہ نظام بن جاتی ہے،خواہ اس کا نام بادشاہت ہو یا جمہوریت۔المختصر یہ کہ اسلامی معاشرت اور حکومت میں دین اور سیاست الگ نہیں ہوسکتے۔اگر الگ ہوں توظلم وتباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔یورپ امریکہ اور دنیا کی ابلیسی نظام جمہوریت کا جائزہ لیجئے۔

اسلام نے عبادت،تجارت،سیاست،جہانبانی اور طریقۂ حکمرانی سب کچھ سکھا دیا ہے جولوگ اسلام کا مطالعہ نہیں کئے ہیں وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سیاست مذہب سے خارج ہے۔ایسے مکار حکمران اور سیاست داں اپنی اپنی مخصوص عینکوں سے جب اسلام اور مسلمانوں کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ بوریہ نشینوں نے مسجدوں میں بیٹھ کر ایمانداری کے ساتھ حکومت کیسے کی ہوگی۔یا علماء جنھیں وہ تحقیر سے مُلّا کہتے ہیں حکومت کیسے کر سکتے ہیں۔یا وہ مذہب جوان کے نزدیک محض ایک قدیم روایتی مذہب ہے کسی قوم کے لئے قوت محرکہ کیسے بن سکتا ہے۔انھیں یا تو مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار نظر آتی ہے یا پھر چار

شادیوں کی اجازت وطلاق یا با حجاب رہنے کے احکامات دکھائی دیتے ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ اسلام کو صحیح معنوں میں عقل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔کاش! غیر مسلم حضرات اور غیر مسلم مما لک بالخصوص امریکہ اور یورپ والے اسلام کو اچھی طرح سمجھتے تو آج ان کا اسلام اور مسلمانوں کے تئیں یہ رویہ نہ ہوتا۔اور نہ ہی وہ اپنے استنجائی اخباروں کے ذریعہ اسلام پر کیچڑ اچھالتے۔انھیں (غیر مسلم مما لک) میرا یہ مشورہ ہے کہ وہ اسلام کا اچھی طرح سے مطالعہ کریں اور اسلام کے متعلق اپنا رویہ تبدیل کر دیں ورنہ اسلام ان کے لئے ایک دھما کہ بن سکتا ہے۔

آج پوری دنیا میں پینتالیس سے زائد مسلم مما لک ہیں لیکن دین کو مسجد اور مدرسہ کی چہار دیواری میں قید کرنے والوں سے امریکہ اور مغرب کو کوئی خطرہ نہیں۔ خطرہ تو اسے اسلام کے ان علمبر داروں سے ہے جو سعودی، ترکی، شام، مراقس، متحدہ عرب امارات، بحرین، مصر، الجزائر اور دیگر مغرب نواز مما لک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مصروف جہاد ہیں۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور مغربی مما لک کی ساری قوتیں ایران، عراق، لیبیا، مصر، الجزائر اور وسط ایشیا میں صرف ہو رہی ہیں جہاں کسی نہ کسی شکل میں احیائے اسلام کی تحریکیں سمندر کے موجوں کی طرح اٹھ رہی ہیں جس کی وجہ سے غیر مسلم مما لک بہت ہی فکر مند ہیں اور اتنے فکر مند ہیں کہ ان کے عقل کا توازن بھی قائم نہیں ہے۔اسی لئے وہ اسلام کے علمبر داروں کو دہشت گرد، بنیاد پرست تک کہنے لگے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ مما لک ہر راسخ العقیدہ مسلمان کو دہشت گرد، بنیاد پرست ہی کہتے ہیں اور ان کے تحریک کو بین الاقوامی دہشت گردی کہہ کر کچل دینا چاہتے ہیں۔اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ خود ہی مشاہدہ کیجئے۔ان مما لک میں جہاں مغرب نواز طبقہ برسر اقتدار ہے وہاں اسلام کے علمبر داروں پر ظلم وتشدد کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں، ان کے دفاتر سیل کئے

جا رہے ہیں۔ انھیں دہشت گرد اور بنیاد پرست کہہ کر سزائے موت دی جارہی ہے۔ انھیں تخریب کار کہہ کر ان کی تحریک پر پابندیاں عائد کی جارہی ہیں۔ شام، سعودی، ترکی، مصر اور الجزائر میں یہی سب کچھ ہورہا ہے اور جو کچھ ہورہا ہے امریکہ اور برطانیہ کے ایماء (اشارہ) پر ہورہا ہے۔ لہٰذا مسلم ممالک کے عوام کو چاہیے کہ وہ اسلام کی عظمت کے پاسبانوں کا ساتھ دیں اور غدار، مغرب نواز ایمان فروش حکمرانوں کو حکومت واقتدار سے محروم کر دیں تاکہ وہ اسلامی غیرت وحمیت کا سودا نہ کر سکیں اور اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا اور یہ غدار مغرب نواز حکمراں اقتدار پر قابض رہے تو عالم اسلام کبھی بھی سربلند نہیں ہو سکے گا۔

اے امریکہ اور برطانیہ کے پٹھوؤ! اے مغرب نواز ایمان فروش حکمرانوں! یہ بات خوب اچھی طرح سے یاد رکھو، جس طرح درخت کے پتّے کو توڑ دینے سے درخت مرجھا نہیں جاتا اسی طرح اسلام کی عظمت کے پاسبانوں کو تختۂ دار پر لٹا دینے سے تحریک مر نہیں جائے گی بلکہ اسے ایک نئی زندگی ملے گی۔ یاد رکھو! شہیدوں کے لہو سے ایک جہان پیدا ہوگا۔ ایک نئی دنیا وجود میں آئے گی۔ ایک نہ ایک دن شہیدوں کا لہو رنگ لائے گا اور تمہاری فرعونی وجاگیردارانہ نظام کا ضرور خاتمہ ہوگا۔ تمہاری سرکوبی کے لئے پھر کوئی نورالدین زنگی اور غازی صلاح الدین ایوبی پیدا ہوگا۔ (اِن شاءاللہ)

مغرب کی ڈسکو تہذیب اور ایڈز کلچر نیز جدید ٹکنالوجی کے ناجائز استعمال سے نئی نسل کو بچانا اس کے علمبرداروں کا فریضہ ہے جس میں صرف ہماری ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کی بھلائی ہے۔ آج ڈسکو تہذیب، ایڈز کلچر میں پوری دنیا بری طرح جکڑی ہوئی ہے۔ اس سے نجات پانے کے لئے صرف اور صرف صحیح اسلامی فکر ونظر اور قرآنی دستور پر عمل درآمد کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس کتاب میں ہم نے اسلام کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے دنیا کے موجود

ابلیسی نظام پر قدرے تنقید بھی کی ہے۔ مقصد میرا کسی طبقہ کی دل آزاری نہیں اور نہ ہی کسی کے مذہبی نظریات سے ٹکراؤ کا ہے بلکہ غلط پر صحیح کی ترجیح کا معاملہ ہے۔ باطل پر حقانیت کی وضاحت مقصود ہے۔ حقیقت سے آگاہ کر دینا یہ میرا فرض منصبی ہے اور قبول کرنا یا نہ کرنا یہ آپ کی مرضی ہے۔

یقین جانئے! میں آپ کا سچا ہمدرد ہوں اور آپ کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لانا چاہتا ہوں۔ اس روشنی کی طرف جس کا نام اسلام ہے اور جو پوری نسل انسانیت کا مذہب ہے جو خدا کی طرف سے بنی نوع انسان کے لئے ایک تحفہ ہے، اب آگے آپ کی مرضی ہے خواہ آپ خدا کے اس تحفہ (اسلام) کو قبول کریں یا اسے رد کر دیں، مگر اتنا ضرور یاد رکھیں کہ رد (انکار اسلام) کرنے کی صورت میں خدا کے دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسلام کے دامن سے وابستہ ہیں اور کتاب وسنت کی روشنی میں اپنی زندگی کے شب وروز کو طے کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ان کے رحیم وکریم پروردگار کے طرف سے جنت کی بشارت ہے۔

اکتیس (۳۱) سال پہلے میں نے یہ کتاب تحریر کی تھی وہ کمپیوٹر کا دور نہیں تھا۔ کتابت کا دور تھا اور جس نے اس کتاب کی کتابت کی تھی وہ اتنی اچھی خوش خط میں نہیں تھی، جتنی ہونی چاہیے۔ ۱۹۹۴ء میں میری یہ کتاب لیتھوگرافی میں پہلی بار ''اسلام یہ ہے'' کے نام سے چھپی تھی مگر اب دوسرے ایڈیشن میں ہم نے اس کا نام ترمیم کر کے ''اسلام یہ ہے'' کے بجائے ''اسلام امن وسلامتی کا مذہب'' رکھ دیا ہے جو خوبصورت اور دلکش نام ہے۔ یہ بات بطور اعلامیہ گوش گزار کر رہا ہوں۔

محمد الیاس خان نوری
(فاضل علوم اسلامیہ کانپور، یوپی)
مقیم حال رتن پور، کھیڑا، گجرات

باسمہٖ تعالیٰ

اسلام ایک عالمگیر مذہب

اسلام کا معنی اور مفہوم

اسلام کا معنی ہے اللہ کے حکم کے سامنے گردن کو جھکا دینا یعنی انسان اپنی راحت اور تکلیف، اپنے نفع ونقصان، اپنی رائے یا خواہش کو بالکل نظر انداز کر دے اور بغیر کسی حیل وحجت کے اپنے رحیم وکریم پروردگار کے احکام کی تعمیل پر کمر بستہ ہو جائے۔ یہ ہے اسلام کا حقیقی مفہوم اور معنی۔

اسلام خالق کائنات کا عطا کردہ عالمگیر مذہب ہے جسے اختیار کر کے انسان دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ یوں تو اسلام سے قبل بہت سے ادیان ومذاہب اس دنیا میں آئے مگر وہ صرف کسی ایک مخصوص ومحدود خطے ہی کے لئے آئے لیکن اسلام پوری انسانی برادری کے لئے ایک چشمۂ رحمت بن کر آیا۔ آج دنیا کا کوئی گوشہ اور کونا ایسا نہیں ہے جہاں پر اسلام نے اپنی تعلیمات وپیغامات سے وہاں کے لوگوں کو متاثر نہ کیا ہو یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کی دی ہوئی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام کے شیتل چھائے میں بڑی تیزی سے سمٹے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

عالمگیر ہونے کا مطلب

مذہب اسلام کے متعلق جب یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ ایک عالمگیر مذہب ہے تو اس کے بہت سے مفہوم سامنے آتے ہیں:

(۱) عالمگیر ہونے کا ایک مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ اسلام عیسائیت اور یہودیت کی طرح صرف بنی اسرائیل یا کسی ایک قوم یا نسل کے لوگوں کا مذہب نہیں ہے بلکہ

اس کا دروازہ ہر قوم، ہر نسل کے لوگوں کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔(۲) اوراس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پوری انسانی برادری کے لئے ہے اوراس کی فائدہ رسانی کا دائرہ صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اس کی تعلیمات اور ہدایتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور آج اٹھا بھی رہے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے جتنے بھی بڑے بڑے ریسرچ، اسکالرس، مفکر، دانشور اور سائنس داں ہوئے ہیں ان سب نے اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کی بدولت ترقی کی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مذہب اسلام تمام انسانی برادری کو قدم قدم پر رہنمائی کرتا ہے سچ جو پوچھو تو اسلام ہر آدمی کی تلاش کا صحیح ترین جواب ہے۔اسلام صرف خدائی قوانین کا نام نہیں بلکہ خالق کائنات کی تعارف کا نام ہے۔اسلام وہ دین ہے جہاں کسی قومی، وطنی اور نسلی عصبیت کی گنجائش نہیں، اس دین کی روح ان تمام عناصر سے پاک ہے جو انسان کو انسان سے ملنے نہیں دیتے، یہ کسی خاندان یا نسل کے خدا کا دین نہیں بلکہ رب العالمین کا دین ہے اوراس دین کا پیغمبر صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ وہ رحمۃ للعالمین ہے جو سارے عالم انسانیت کی شیرازہ بندی کے لئے مطلع وجود پر جلوہ نما ہوا اس لئے صرف یہی دین انسانی اتحاد کے لئے اساسِ محکم ثابت ہوسکتا ہے۔

حقیقت کے چہرے سے اگر نقاب پلٹا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ دنیا کی مذہبی تاریخ میں اتنی کم مدت میں آج تک کسی مذہب کو اسلام کی طرح مقبولیت حاصل نہیں ہوئی یہی اسلام کی حقانیت اور اس کے عالمگیر ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے امریکہ اور اہل مغرب خوفزدہ

اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے آج پوری دنیا بالخصوص اہل مغرب خوفزدہ ہیں،

انھیں یہ خوف واندیشہ ہے کہ اسلام اونچ نیچ کی دیوار،نسل پرستی کے بت اور ذات پات کی تقسیم کو تباہ وبرباد کر کے مساویانہ نظام قائم کرتا ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کے مظلوم اور پس ماندہ طبقوں کو اسلام کی حقانیت وصداقت معلوم ہوجائے اور وہ اسلام کو تحفۂ خدا اور نعمت عظمیٰ سمجھ کر قبول کرلیں،اس لئے سرمایہ داروں ،فرقہ پرستوں اور کمیونسٹوں کے طرف سے اسلام پر اکثر حملہ ہوتا رہتا ہے اور مغرب کے مکار حکمراں اس سلسلے میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں۔چونکہ تمام نشریاتی اداروں (اخبار،ریڈیو اورٹی وی کاسٹنگ) پران کا قبضہ ہے،اس لئے وہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق اپنے شیطانی آلات اور ایجنٹوں کے ذریعہ غلط پروپیگنڈے کرتے کراتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنا نصف سرمایہ اسلام کو بدنام کرنے میں صرف کرتے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے بدظن ہوجائیں اور اسے قبول نہ کریں مگر ان عقل کے ماروں کو پتہ نہیں کہ اسلام خالق کائنات کا وضع کردہ مذہب ہے جو لوگوں کے دلوں تک پہنچنے کے لئے اپنا راستہ خود آپ بناتا ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
تم جتنا دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا

اسلام کی برکتیں عام ہیں

اسلام سے پہلے انسانی سوسائٹی کو جتنے مذہبوں کی بھی دعوت دی گئی تھی وہ سب بعض نسلوں،بعض قوموں اور بعض ملکوں کے لئے مخصوص تھیں اس لئے قدرتی طور پر ان تمام مذاہب کی روحانی،خلاقی اور مادی برکتیں بھی چند نسلوں ،چند قوموں اور چند ملکوں تک محدود ہیں لیکن اسلام نے چونکہ تمام انسانی سوسائٹی کے مذہب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس لئے اس کی برکتیں بھی پوری انسانی برادری کے لئے عام ہیں۔یہی

وجہ ہے کہ اسلام کا خدا اور اسلام کا پیغمبر جب کوئی بات شروع کرتا ہے تو ''اے لوگو!'' ''اے انسانوں'' کہہ کر شروع کرتا ہے وہ دنیا کے تمام انسانوں سے مخاطب ہے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ تمام انسانی برادری کا مذہب ہے اور اس انقلابی مذہب کو لانے والا پیغمبر تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بن کر آیا ہے۔

اعترافِ مسیح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف بنی اسرائیل کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ کی رسالت دنیا کے تمام انسانوں کے لئے نہ تھی چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ ''میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بکریوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''

جب حضرت مسیح علیہ السلام نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ میری نبوت کا دائرہ صرف اور صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے تو پھر عیسائی مبلغین کا بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو دعوت عیسائیت دینا یسوع مسیح کی ہدایتوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔

اسلام سب سے پہلا اور آخری مذہب

انسانی تاریخ اور آسمانی کتابوں کے حوالوں سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے سب سے پہلے انسان تھے جو دین اسلام لے کر آئے۔ اسی دین و اسلام کی دعوت و تبلیغ تمام انبیائے کرام نے اپنے اپنے علاقے اور اپنے اپنے دور میں کیا۔ ان کا دائرۂ تبلیغ و نبوت مخصوص علاقہ اور مخصوص اقوام تک محدود رہا۔ اسلام میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام آئے۔ اسلام کے آخری پیغمبر محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات بابرکات پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی تکمیل فرمائی اور آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے آخری پیغمبر بنا کر بھیجا۔ ڈاکٹر پنڈت وید پرکاش اُپادھیائے جو بنگال کے ایک برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، وہ الٰہ آباد یونیورسٹی میں شعبۂ سنسکرت کے پروفیسر تھے۔ انھوں نے ایک کتاب

لکھی ہے جس کا نام ہے ''کلکی اوتار''جس میں انھوں نے یہ بات ثابت کر دیا ہے کہ آج دنیا جس آخری اوتار اور نجات دہندہ کے آمد کی منتظر ہے، وہ آخری اوتار اور نجات دہندہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روپ میں اب سے چودہ سوسال پہلے عرب کی سرزمین پر آچکے ہیں۔اقوام عالم اور بالخصوص میرے ہندو بھائی اب کس کے انتظار میں ہیں؟ وہی تو آخری اوتار اور نجات دہندہ ہیں ان پر ایمان لے آو، جوان پر ایمان نہیں لائے گا۔وہ بہت بڑا احمق اور بیوقوف ہے۔اسلام ہی ہر انسان کی تلاش کا صحیح ترین جواب ہے۔

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا کے سب سے پہلے انسان تھے اور وہ اللہ کے پیغمبر تھے اور جو پیغمبر ہوتا ہے اس کا دین ومذہب اسلام ہوتا ہے اور وہ مسلمان ہوتا ہے۔اس اعتبار سے دنیا کا سب سے پہلا انسان وہ مسلمان ہے اور سب سے پہلا مذہب اسلام ہے۔میں بڑی محبت سے دنیا کی تمام غیر مسلم اقوام کو قبول اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ نسل انسانی کے باپ دادا حضرت آدم علیہ السلام کے لائے ہوئے دین اسلام کو قبول کرلیں۔یہی اصل گھر واپسی کا صحیح معنیٰ ومفہوم ہے۔اسلام کو سمجھنا ہو تو آج کے بے عمل مسلمانوں کو نہ دیکھیں خود اسلام کو پڑھیں اور حقیقت وسچائی کو پہچانیں۔

اسلام کسے کہتے ہیں

علامہ ابن کثیر نے اسلام کے مفہوم کو بڑے آسان اور واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ ہر زمانے کے نبی پر اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کی اطاعت واتباع کو اسلام کہتے ہیں، یہاں تک سیدنا آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے جب نبوت ورسالت کا دروازہ قیامت تک کے لئے بند ہو گیا تو اسلام نام ہو گیا اتباع محمدی کا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تمام انبیائے کرام کی شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور دنیا والوں سے کہا گیا کہ اس ذات اقدس (طریقۂ محمدی) کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہی کا

راستہ ہوگا۔

جملہ انبیائے کرام کا دین اسلام ہی ہے

یہاں قارئین کرام کے لئے قرآن نے ایک بڑی الجھی ہوئی گرہ کھول دی کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیائے کرام الگ الگ دین لے کرنہیں آئے بلکہ سب نے اپنے اپنے وقت میں ایک ہی دین کی دعوت اور ایک ہی دین کی تبلیغ کی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَةٌ وَ کُلُّهُمْ دِیْنِ اِسْلَامْ.(رواہ مسلم) ''تمام نبی آپس میں بھائی بھائی ہیں اور سب کا دین ایک ہے یعنی اسلام ہی ہے''۔وہ سب حق کے پیغامبر تھے،حق کے ساتھ مبعوث کئے گئے تھے اور جان لو کہ حق ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے،اس لئے سب انبیائے کرام دین اسلام ہی کے مبلغ بن کر آئے تھے۔اے لوگو! میں بھی اسی دین کا داعی اور مبلغ بن کر آیا ہوں۔اب میرا ہی طریقہ دین اسلام ہے اگر کوئی شخص میرے طریقے (دین اسلام اور شریعت محمدی) کو چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ (مذہب) اختیار کرے گا تو وہ اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴿۸۵﴾ جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب قبول کرے گا تو وہ خدا کے نزدیک قابل قبول نہیں ہوگا اور وہ آخرت میں سخت نقصان اٹھائے گا۔

اب یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دین ایک ہی ہے تو دین کے نام پر یہ جواَن گنت فرقے نمودار ہو گئے ہیں اور ان کی باہمی اختلاف کی آگ بارہا خرمن امن کو جلا کر خاکستر بنا چکی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ قرآن میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف کسی نیک نیتی پر مبنی نہیں، بلکہ اس کی وجہ صرف اور صرف بغض

وحسد اور ذاتی مفاد ہے ورنہ اسلام کے برحق اور سب اقوام کے لئے چشمۂ رحمت ہونے پر اگر کسی کو کسی دلیل کی ضرورت ہوتو محسن انسانیت، پیغمبر اول وآخر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کتاب زندگی کا ہر ورق اس دین حق کی حقانیت وصداقت کی گواہی دے رہا ہے، ان کی راتوں کا سوز وگداز، ان کے دنوں کی مصروفیتیں، ان کا ہر قول، ان کا ہر فعل، اپنے اصحاب اور دوستوں کے ساتھ ان کا برتاؤ، اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ ان کا حسن سلوک، ان کی جنگیں، ان کی **صلحیں**، ان کی مکی اور مدنی زندگی غرضیکہ تم انھیں جس پہلو سے دیکھنا چاہو دیکھو جس کسوٹی پر پرکھنا چاہو پرکھو اگر تمہاری چشم دل نورِ حق کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو تم بے اختیار کہہ اٹھو گے کہ اس سے سچا گواہ آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ تمہارا دل مان جائے گا کہ جس اسلام کی صداقت کی گواہی دنیا کا یہ عظیم پیغمبر دے رہا ہے، اس کے برحق ہونے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا جاسکتا۔

ایک ہی وقت میں رحمان اور شیطان کو خوش نہیں کیا جاسکتا

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دو ہاتھ، دو پاؤں، دو کان، دو آنکھیں دی ہیں لیکن دل صرف ایک ہی دیا ہے کیوں؟ آپ نے کبھی اس پر غور کیا؟ اگر آپ غور وفکر کریں گے تو پتہ چلے گا کہ ایک دل میں متضاد خیالات اور عقائد کی گنجائش نہیں، ایک دل میں صرف ایک ہی عقیدہ سما سکتا ہے۔ یا انسان اسلام کو اختیار کر کے خدا کا بندہ بن جائے یا اسے چھوڑ کر شیطان کی بندگی اختیار کرلے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کفر اور اسلام دونوں کے علمبردار بنے رہیں، حق اور باطل دونوں سے رشتۂ عقیدت جوڑے رکھیں۔ زندگی کے اس پُرشور سمندر کو دو کشتیوں میں سوار ہو کر جو عبور کرنا چاہتا ہے وہ غرق ہو جاتا ہے۔ یا صدیق وعمر کی صف میں شامل ہو جاؤ یا ابولہب اور ابوجہل کی سنگت اختیار

کرلو۔عبداللہ بن ابی جیسے منافق (جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے لیکن دل سے اس کی صداقت کا منکر ہو) لوگوں کے لیے اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔آپ چاہیں کہ ایک ہی وقت میں خدا کو بھی خوش کرلوں اور شیطان کو بھی، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔

اسلام کو از ابتدا تا انتہا اس کے سارے مطالبات اور تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا ہوگا یا اسے چھوڑ دینا ہوگا، یہ ناممکن ہے کہ تم دور جاہلیت کے غلط رسم ورواج کو بھی اپنائے رکھو اور مسلمانی کا بھی دم بھرتے رہو۔اور یہ بھی یاد رکھو! یہ دین ایسا نہیں ہے جس کو اختیار کرکے یا جس پر عمل کرکے تم مصیبت کا شکار ہوجاؤ یا جس کو قبول کرنے کے بعد تمہاری مادی، علمی اور روحانی ترقی کی راہیں مسدود ہوجائیں یا تم کسی میدان میں دنیا کی کسی قوم سے مات کھا جاؤ۔نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں! یہ دین ہر قسم کی رکاوٹوں سے پاک ہے۔اسے سمجھنا آسان ہے۔اس پر عمل کرنا آسان ہے اور جو قوم اس پر عمل کرتی ہے وہ سارے جہان کے لئے فیوض وبرکات کا منبع بن جاتی ہے۔

اس لئے اس تشویش کو دل سے نکال دو کہ اس دین کو اپنا کر تم مشکلات میں گھر جاؤ گے، ترقی کی دور میں دوسری قومیں تم سے بازی لی جائیں گی یہ صرف اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ ہیں، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کو دنیاوی ترقی کا راستہ اسلام ہی نے دکھایا ہے، اسلام انسانی سوسائٹی کو صرف خدا کے سامنے بغرض بندگی جھکانے ہی کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کے آنے کا عظیم مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کو صحیح معنوں میں انسان بنائے اور اسے یہ بتائے کہ دنیا کی ترقی خود ایک عبادت اور دینی خدمت ہے اس لئے انسان کو دنیاوی ترقی کے لئے ہر وقت سرگرم رہنا چاہیے۔چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے ''اے لوگو! بہترین سواری دنیا ہے تم اس پر سوار ہوجاؤ یہ تمہیں آخرت کی منزل تک پہنچادے گی یعنی تم دنیا کے قابو میں نہ آؤ بلکہ دنیا پر قابو حاصل کرلو تمہاری آخرت خود بخود درست ہوجائے گی۔''

اسلام ایک عظیم انقلابی تحریک

اسلام صرف مخصوص طریقۂ عبادت کا نام نہیں بلکہ ایک عظیم انقلابی تحریک کا نام ہے جس نے انسانوں کے دل ودماغ کو بدل ڈالا۔ دنیا کو اسلام کے بعد کسی اور مذہب کی ضرورت نہیں، اسلام ہی دنیا کا مکمل مذہب ہے جو قدم قدم پر دنیا والوں کو جینا سکھاتا ہے اور سبق دیتا ہے کہ خود بھی جیو اور دوسروں کو جینے دو، اسلام دنیا کے تمام انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنادینا چاہتا ہے اور ایسا سوسائٹی قائم کرنا چاہتا ہے جو نفرت، تعصب، تنگ نظری، ناانصافی، جانبداری، فرقہ پرستی اور تمام گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو۔ اسلام صاف ستھرا پاکیزہ اور پرامن وپرسکون زندگی کا بہت بڑا حامی ہے۔ ہر وہ کام جس میں دوسروں کی دل آزادی اور جو انسانی سوسائٹی کے لئے نقصان دہ ہو اسلام اس کو نہایت سختی کے ساتھ روکتا ہے، وہ دنیا کے تمام انسانوں سے کہتا ہے کہ ”اے لوگو! اپنے گھر والوں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ وطن اور اہل وطن کے ساتھ محبت کے ساتھ پیش آؤ۔ دوستوں کے ساتھ وفاداری، یتیموں کی خبر گیری، مریضوں کی تیمارداری اور مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرو۔

اسلام اور پیام امن

ایک طرف اسلام جہاں مقام انسانیت کی نشان دہی کرتا ہے تو دوسری طرف ملک وملت سے وفاداری بھی سکھاتا ہے اور ہمیشہ امن وسکون کے ساتھ رہنے کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ. اے لوگو! روئے زمین پر فتنے فساد نہ پھیلاؤ بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام امن وشانتی کا مذہب ہے اور پیغمبر اسلام محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات اور مقدس زندگی امن وسلامتی کا پیغام ہے۔ ارشاد

خداوندی ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا.

(سورۃ المائدہ:،آیت ۳۲)

’’یعنی جس نے کسی بے قصور انسان کو قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کا قتل کیا اور جس نے کسی بے قصور انسان کی جان بچائی گویا اس نے تمام بے قصور انسانوں کی جان بچائی۔‘‘

یہ آیت مقدسہ اسلام کی اصل تعلیمات کو واضح کرتی ہے کہ اسلام کس قدر امن وسلامتی کا مذہب ہے۔اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے جو ظلم وبربریت، دنگا اور فساد پھیلاتے ہیں۔قتل وغارت گری کا بازار گرم کرتے ہیں۔زندہ انسانوں کو آگ میں جلادیتے ہیں۔اور ان لوگوں کو بھی نصیحت حاصل کرنا چاہیے جو مسلمان ہو کر بے قصور لوگوں کو بم دھماکوں اور خودکش حملوں کے ذریعے موت کی نیند سلا کر یہ گمان کرتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دے دی۔

ہمارے معاشرہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو دھرم کے نام پر دنگا فساد پھیلاتے ہیں۔انسانوں کے درمیان نفرت کی بیج بوتے ہیں۔اپنی سیاسی مفاد کے لئے انسانوں کو آپس میں لڑاتے ہیں۔عہدہ اور منصب کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔قرآن، اسلام اور پیغمبر کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور ان کی پاکیزہ تعلیمات پر کیچڑ اُچھالتے ہیں،اسلام کے خلاف رات دن پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔یہ سب زمین پر فتنہ فساد کی صورتیں ہیں۔اسلام فتنہ فساد کو ناپسند کرتا ہے اور پرسکون و پرامن زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔

اسلام میں زندگی کی بہت اہمیت ہے۔اسلام ’’جیو اور جینے دو‘‘ کے فلسفے کو فروغ دیتا ہے۔اسلام ان لوگوں کو سزا دیتا ہے جو لوگوں کی زندگیوں میں مشکلات پیدا کرتے ہیں۔یادرکھو! زندگی کا حق تمام انسانی حقوق میں سب سے اہم ہے اس کے تحفظ کی اسلام

مکمل ضمانت دیتا ہے۔اندھا دھندھ خونریزی اور انسانوں کا قتل اسلام میں سنگین جرم ہے۔یہ زندگی اللہ کی امانت ہے اگر ہم نے اس کا غلط استعمال کیا تو کل بروزِ قیامت ہمیں اس کی سزا ملے گی۔خودکشی تو دور کی بات ہے اسلام میں معمولی سی ناامیدی بھی کفر ہےاور گناہ ہے۔ایک ناامید شخص حقیقت میں اللہ کی قدرت کا منکر ہوتا ہے، وہ یقین کھودیتا ہے کہ وہ قادر مطلق کسی بھی وقت صورت حال تبدیل کرسکتا ہے۔ہمیں ہر حال میں زندگی کی حفاظت اوراسے نقصان وہلاکت سے دوررکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔البتہ اسلام، ایمان ،عقائد ،شریعت اور حق وصداقت کے تحفظ کے لئے لڑتے لڑتے اپنی جان کو قربان کردینا یہ حکم خداوندی میں شامل ہےاوریہی زندگی کا نصب العین اوراصلی مقصد بھی ہے۔

زندگی دی گئی ہے اسی کے لئے
جینا مرنا ہے سب کچھ نبی کے لئے

اسلام نے صرف چند صورتوں میں قتل انسان کو جائز قرار دیا ہے جیسے قاتل کو قصاص میں قتل کرنا، زمین پر فتنہ فساد اورخون ریزی کرنا، مرتد ہوجانا، اللہ رسول سے بغاوت کرنا، چوری اور ڈکہ ڈالنا، کسی عورت کی عزت وآبرو لوٹنا اور اس کے ساتھ زنا کرنا مگراس میں بھی کچھ شرائط ہیں۔ان شرائط کے ساتھ مجرم کو سزادی جائے گی۔ان تمام صورتوں میں اگر مجرم کو سزا نہ دی جائے تو جرم بڑھتا ہی جائے گا اور کبھی بھی ایک پاکیزہ اور پرامن معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔

اسلام تمام نسل انسانی کا مذہب ہے اس لئے وہ انسانی زندگی سے کفر وشرک اور تمام برائیوں کا خاتمہ چاہتا ہے۔وہ کافر کا خاتمہ نہیں بلکہ کفر کا خاتمہ چاہتا ہے۔مشرک کا نہیں بلکہ شرک کا خاتمہ چاہتا ہے۔یہ لوگوں کے اندر کی برائی کو مٹا دینا چاہتا ہے خود لوگوں کو نہیں ۔یہ ایک بہترین معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جس میں امن کے ساتھ لوگ پرسکون زندگی گزارسکیں۔یہ انسان کو پاکیزہ اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مقام پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔یہ چاہتا ہے کہ تمام انسان کی زندگی سے کفر وشرک اور برائیوں کا

خاتمہ ہو جائے اور انسان خدا کا فرمانبردار بندہ بن جائے۔اس کی عبادت میں اس کی ذات میں کسی کو شریک نہ مانے اور اس کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کو دل سے تسلیم کرے اسی میں تمام انسانوں کی نجات ہے۔

آج مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار یہ غلط تصویر دشمنان اسلام نے ہماری بنائی ہے۔یہ جان بوجھ کر لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے اور سچ کو چھپانے کی تیاری کی گئی ہے۔اسلام اور تلوار ہرگز ہرگز مترادف نہیں ہیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ دہشت گردی کا کوئی دھرم اور مذہب نہیں ہوتا مگر حالات واقعات اور تاریخ بتاتی ہے کہ دہشت گرد کا دھرم اور مذہب ہوتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ اسرائیل ،امریکہ اور یورپ کے حکمراں بھارت کی فرقہ پرست تنظیمیں اور ہندتوا کے علمبردار یہ سب کس دھرم اور مذہب کے ہیں؟ امریکہ کے ایک صدر نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرائے ،دوسرے صدر نے افغانستان اور عراق میں لاکھوں انسانوں کا قتل عام کر دیا۔اس صدی کا فرعون اسرائیلی وزیر اعظم نے پورے فلسطین اور غزہ کو قبرستان میں تبدیل کر دیا ،ایک لاکھ کے قریب انسان جن میں عورتوں اور بچوں کی تعداد زیادہ ہے،شہید کر دیا۔بتاؤ مجھے ان سب کا دین دھرم کیا ہے؟ آج دشمنانِ اسلام کہتے ہیں کہ قرآن مسلمانوں کے سوا کسی اور قوم کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا ہے اور دعویٰ کی دلیل میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتا ہے:فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ. یعنی مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو۔یہ دشمنان اسلام کی غلط فہمی ہے، ایک پروپیگنڈہ ہے جو جان بوجھ کر اسلام اور مسلمانوں سے نفرت دلانے کے لئے کیا جارہا ہے۔سچائی یہ ہے کہ یہ حکم ایک مخصوص وقت اور مخصوص دن کے لئے تھا۔یہ حکم صرف مکہ کے مشرکوں اور کافروں کے لئے تھا جب وہ مسلمانوں سے برسرپیکار تھے۔امن وشانتی کو تباہ کررہے تھے۔اب اس حکم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیامت تک مسلمان جس کافر کو جہاں پائیں قتل کر دیں، ہرگز ہرگز نہیں۔یہ ایک الزام اور اسلام کو بدنام کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

صحابہ کا نقش قدم مشعل راہ

اسلام کا ایک نا قابل فراموش کارنامہ یہ بھی ہے کہ اس نے انسانی کردار کی پختگی اور بلندی پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ دراصل اسلام پوری دنیا میں اصلاح پسندوں کی ایک ایسی جماعت دیکھنا چاہتا ہے جو بذات خود اونچے کردار کا نمونہ ہوں اور جن کے بلند کردار سے پوری دنیا سبق حاصل کرے۔ اسلام کا یہ نظریہ صرف کتابوں ہی تک محدود نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے ایسے لوگ پیدا کردیئے ہیں جن کا کردار آج بھی ساری دنیا کے لئے مشعل راہ ہے، میری مراد صحابہ اور صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والوں سے ہے۔ان کے حالات زندگی کا جب آپ بغور مطالعہ کریں گے تو آپ کو ان کے حالات وکردار میں پیغمبروں کے کردار کی جھلک دکھائی دے گی۔ یہ بات بالکل سو فیصد درست ہے کہ اسلام نے انسانی سوسائٹی کی اصلاح میں ایک نمایاں رول ادا کیا ہے جو دیگر مذاہب ادا کرنے میں بالکل قاصر ہیں۔

انکار اسلام کے وجوہات

کفار ومشرکین اِس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اسلام ہی حق وصداقت کا مذہب ہے مگر وہ دل سے اسے قبول نہیں کررہے ہیں۔ ان کے لئے اسلام قبول کرنے کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی ہے کہ وہ اس بات سے خوف زدہ ہیں کہ اگر انھوں نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور اسلام کو قبول کرلیا تو ان کے عقیدت مندوں کا یہ ہجوم منتشر ہوجائے گا اور سیاسی ومالی منفعت جو انھیں اپنے ماننے والوں سے حاصل ہورہی ہے وہ بند ہوجائے گی۔

اور دوسری وجہ انکارِ اسلام کی یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کو صرف اور صرف حسد ہے کہ یہ آخری پیغمبر بنی اسماعیل سے کیوں بھیجا گیا بنی اسحاق سے کیوں نہیں؟ کیونکہ یہود ونصاریٰ حضرت اسحاق علیہ السلام کے نسل سے اور ہمارے حضور حضرت اسماعیل

علیہ السلام کے نسل سے ہیں۔مشرکین مکہ کو یہ صدمہ تھا کہ نبی کا انتخاب مکہ اور طائف کے رئیسوں سے کیوں نہیں کیا گیا۔عبدالمطلب کے یتیم پوتے کا انتخاب ان کی نگاہوں میں ہرگز موزوں نہ تھا۔قرآن کہتا ہے کہ کفار ومشرکین کی سرکشی اور انکارِ اسلام کسی حقیقت اور دلیل پر مبنی نہیں بلکہ تعصب اور حسد کا پیش خیمہ ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک کبڑے سے پوچھا گیا کہ تم کیا چاہتے ہو؟اس نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری طرح سبھی لوگ کبڑے ہوجائیں تا کہ جس طرح میں رات کو چین سے نہیں سوتا وہ بھی نہ سوسکیں، یہی حال آج کے کفار ومشرکین کا ہے یہ خود بھی دولت ایمان واسلام سے محروم رہے ہیں اور اب حسد کے مارے چاہتے ہیں کہ کوئی اور بھی دولت ایمان سے مالا مال نہ ہو۔اسی لئے وہ ہر وقت مسلمانوں کو اسلام سے منحرف اور برگشتہ کرنے کے لئے سازشیں کرتے رہتے ہیں۔مگر وہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے کیونکہ اسلام وہ نور ہے جس کو ہمیشہ تاباں ودرخشاں رکھنے کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ ہے۔

ساحل ہے میرا نام مٹاؤ گے کیا مجھے
طوفان مجھ سے سینکڑوں ٹکرا کر رہ گئے

اسلام کے خلاف کفار ومشرکین کے دلوں میں آج عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے ہیں اور حسد وغصہ کی جو چنگاریاں چیخ رہی ہیں اس کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے کہ جب کفار ومشرکین اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے ہیں تو ان کے کلیجوں پر سانپ لوٹ جاتا ہے اور ان کے دلوں میں بغض وحسد کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔بغض وحسد یہ دلوں کا مرض ہے اگر انھوں نے اس مرض کو یوں ہی بڑھنے دیا اور اس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں اسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب وروح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔

حقانیتِ اسلام کی سب سے بڑی دلیل محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل خود پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

ذات گرامی ہے جولوگ آپ کی باکمال ہستی کو دیکھ کر ہدایت قبول نہیں کرتے انھیں کوئی دلیل کیونکر راہِ ہدایت دکھاسکتی ہے۔آج دنیا کی دیگر قومیں اسلام کی صداقت کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہی ہیں لیکن یوں عیاں وبیاں دیکھ لینے کے باوجود ان کا اسلام نہ قبول کرنا کتنی عجیب بات ہے۔

اسلام کے خلاف یہود ونصاریٰ کی خطرناک سازش

تفسیر قرآن میں ہے کہ جب اسلام عرب کے سرحد وسیما سے نکل کر دوسرے ملکوں کی جانب بڑھاتو دشمنانِ اسلام نے اس کا راستہ روکنا چاہا مگر ہرمحاذ پران کومنہ کی کھانی پڑی ، ہرمیدان میں انھیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔اس شکست کے بعد اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے انھیں حسد پیدا ہوااور وہ اسلام کے بڑھتے ہوئے قدم کوروکنے کے لئے تدابیر سوچنے لگے۔چنانچہ انھوں نے لوگوں کواسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ایک نیامنصوبہ تیارکیا۔انھوں نے سوچا کہ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کوروکنے کے لئے ہم نے ہرحربہ وتدبیر استعمال کیامگر میرا ہرحربہ ناکام رہااورابھی تک کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوئی تو اب یوں کریں کہ اپنے مخصوص چند چیلوں کومسلمانوں اور مسلمانوں کے پیغمبر کے پاس بھیجیں جووہاں جاکراپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیں اور جب کچھ وقت گزرجائے تو مرتد ہوجائیں۔(یعنی اسلام سے پھرجائیں)اوراس بات کا خوب چرچا کریں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیں اسلام اور پیغمبراسلام کوخوب قریب سے دیکھنے کا موقع ملاہےاوران کے ایسے ایسے عیوب اورکوتاہیاں ہم پرآشکارا ہوئی ہیں کہ ہم اس دین کوترک کرنے پرمجبور ہوگئے ہیں جس کوہم کچھ عرصہ پہلے بڑے شوق اور بڑی محبت سے قبول کیا تھا۔اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ لوگ آج دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہورہے ہیں وہ ٹھٹھک کررہ جائیں گے اورسوچنے لگیں گے کہ جس دین کواس کے ماننے والے ایک ایک کرکے چھوڑ رہے ہیں وہ سچا دین نہیں ہے۔درحقیقت یہود کی یہ سازش اسلام کے خلاف بڑی خطرناک تھی اورنفسیاتی طور پراس کا بڑا برا نتیجہ نکلتا مگر وہ خدائے برحق

جس نے اسلام کو نازل کیا اس نے یہود کی اس گہری سازش کو ناکام بنا دیا۔

آج امریکہ اور مغرب کے مکار حکمراں اسی طرح اسلام کے خلاف بیہودہ بکواس کر کے اسلام سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگ اسلام قبول کرنے سے ٹھٹھک جائیں۔ مرتد جہنمی مسلمان رشدی کی شیطانی آیات ملعونہ ڈاکٹر تسلیمہ نسرین کی ''لجا'' اور اس کے جیسی تحریر کردہ ناپاک کتابیں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہیں جو ہر دور کے منافقوں، ایمان فروشوں اور ضمیر فروشوں سے لکھوائی گئی ہیں۔ دنیا میں ایمان فروشوں کی کمی نہیں اور کوئی دور ایمان فروشوں سے خالی نہیں۔

موجودہ غیر مسلم ممالک اسلام کے خلاف صف آرا

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ قلیل عرصے میں اسلام بڑی تیزی کے ساتھ ایک انقلابی روپ میں دنیا کے سامنے آیا آج عالمی سطح پر اس انقلاب (اسلام) کو دبانے اور ختم کرنے کی سازش ہو چکی ہے۔ اسلام دشمن عناصر اسلام کے بڑھتے ہوئے اس عالمگیر انقلاب سے بہت پریشان ہیں۔ خاص طور پر امریکہ، فرانس، برطانیہ اور سرمایہ دار ممالک بہت ہی خوف زدہ ہیں، اس لئے وہ دن رات عالم اسلام کے خلاف سازشوں کے جال بننے اور بچھانے میں مشغول ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہ ممالک ناپاک منصوبے بناتے ہیں، فتنہ فساد پھیلانے میں اور اسلام کی شمع بجھانے میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی سازشوں کا زیادہ تر شکار مسلم ممالک کے حکمراں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں۔ ان کو ان کے وطن عزیز سے نکالا جا رہا ہے، جان و مال، عزت و آبرو لوٹے جا رہے ہیں، مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کی جا رہی ہے، ہر جگہ توحید پرستوں کے لہو سے ہولیاں کھیلی جا رہی ہیں مگر مسلم ممالک کے حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتا اور اگر کوئی اسلام کا فرزند، سپوت اس مظالم اور فتنے کے خلاف آواز جہاد بلند کرتا ہے، عالم اسلام کے مفادات اور آزادئ فلسطین کی بات کرتا ہے اور ظلم و فتنہ کی دفیعہ کے

لئے قدم اٹھاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ظالم ہے، ہٹلر ہے، بنیاد پرست ہے، اس کو جان سے ختم کردو یا اقتدار سے محروم کردو تاکہ عالم اسلام کی نمائندگی کرنے والا کوئی نہ رہے، اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں کبھی کوئی آواز اٹھانے والا نہ رہے۔

ایک طرف تو عالم اسلام کے خلاف یہ زبردست سازش ہورہی ہے اور دوسری طرف اسلام کے دشمنوں کے ساتھ مسلم حکمرانوں بالخصوص مصری، کویتی اور سعودی حکمرانوں کا سانٹھ گانٹھ (یارانہ) ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلم حکمرانوں کو بالخصوص عرب کے حکمرانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے کہ وہ دوست اور دشمن کو پہچان سکیں اور اپنے الجھے ہوئے تمام مسائل یو این او اور واشنگٹن میں لے جانے کے بجائے کتاب وسنت کی روشنی میں باہمی مفاہمت کے ساتھ خانہ کعبہ کے وسیع وعریض صحن میں بیٹھ کر خود ہی حل کریں۔ دین اور دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کو اسلام نے حل نہ کیا ہو۔ اسلام کے دامن میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے، ضرورت صرف اور صرف ایک مضبوط اسلامک سنگھٹن کی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر مکہ ہو جہاں عالم اسلام کے الجھے ہوئے تمام مسائل اور تنازعات حل کئے جائیں۔

تیرے دامن میں ہے کس لعل وجواہر کی کمی
توکسی غیر کے دامن کی طرف کیوں دیکھے

حق گو، بے باک اور صالح افراد کی ضرورت

اے مسلم کے معزز لقب سے سرفراز ہونے والو! بزم عالم میں تمہارا مقام بھی یہ ہے کہ تم اپنی گفتار، اپنے کردار، اپنی انفرادی واجتماعی زندگی اس طرح بسر کرو کہ لوگ تمہیں دیکھ کر، تم سے مل کر اور تم سے معاملہ طے کرکے یہ یقین کرلیں کہ جس دین کے تم پیروکار ہو وہی دین سچا ہے جس نظام حیات کے تم نقیب ہو سارے جہان کی فلاح وسلامتی کا صرف یہی ضامن ہوسکتا ہے۔

اس بات پر تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اپنے کردار وعمل میں نکھار پیدا کرتا رہا، کردار واخلاق کا جوہر پیش کرتا رہا لوگ اس کے کردار واخلاق سے متاثر ہوکر

پروانوں کی طرح حلقۂ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ایک مردمومن بھی اگر کسی ظلمت کدہ میں پہنچ گیا تو اس کے رخ انور کی تابانیوں سے وہاں ہر طرف اجالا ہی اجالا ہو گیا۔ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں لوگ اپنے آبائی عقائد ونظریات کے زنار توڑ توڑ کر مشرف با اسلام ہوتے رہے۔اشاعت اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرو تمہیں پتہ چلے گا کہ امت محمدیہ کے ان افراد نے ہر جگہ ہدایت کے چراغ روشن کئے یہ وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن نورِ توحید سے جگمگا رہا تھا۔جو کام محمود غزنوی کے حملوں اور شہاب الدین غوری کے فتوحات سے نہ ہو سکا وہ کام ان خرقہ پوش صوفیوں اور بزرگوں نے کیا اور اس خوبی اور اس شان سے کیا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی روحانی تسخیرات کی ضیا پاشوں میں کمی نہیں ہوئی۔دہلی، اجمیر، احمد آباد، اورنگ آباد، بہرائچ، کچھوچھہ، پاک پٹن، لاہور، ملتان، کلیر میں کس نے برسر اقتدار باطل کو شکست فاش دی اور اسلام کا پرچم لہرایا اور اس طرح لہرایا کہ آج تک لہرا رہا ہے اور قیامت تک لہراتا رہے گا۔(اِن شاء اللہ) اسلام کے یہ سچے مبلغ اپنے ساتھ دولت کے خزانے نہیں لائے تھے، فن مناظرہ میں بھی مہارت کا انھیں دعویٰ نہ تھا۔ان کے پاس اپنی زندگی کی کھلی کتاب تھی جس کے ہر سطر سے نورِ عرفان کے چشمے ابل رہے تھے۔

ان کے پاس اپنی دل رُبا اخلاق وسیرت اور بے داغ کردار تھا جو پکار پکار کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دے رہا تھا۔ان کی صداقت کی دلیل ان کے نورانی چہرے تھے جو مہر درخشاں کو شرمارہے تھے، کسی مخالف میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کے کردار کو مشکوک نظر سے دیکھے۔یہ ان کے کردار کی چمک ودمک کا نتیجہ تھا کہ جو دل حق قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد رکھتے تھے وہ دوڑ کر آئے اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

آج بھی دین اسلام کو اپنی برتری وافادیت ثابت کرنے کے لئے ایسے ہی پاک باز لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنے کردار وعمل سے، اپنے اخلاق وعادات سے، اپنی روحانی بلندی اور وسعت علم سے، اپنی تقویٰ طہارت اور پرہیز گاری سے دین اسلام

کے برحق ہونے کی ایسی شہادت دینے کی اہلیت رکھتے ہوں کہ کوئی انھیں جھٹلا نہ سکے، ورنہ جوتبلیغ آج ہم کررہے ہیں وہ بیگانوں کوتو کیا اپنوں کو بھی اسلام سے متنفر کررہی ہے۔ چاک گریبانوں کو رفو کرنا تو کجا ہمارے مبلغین ان چاکوں کو اور زیادہ وسیع کر رہے ہیں، محبت و پیار کا درس دے کر ملت کے پراگندہ شیرازے کو یکجا کرنا تو بڑی بات ہے جہاں ان کے سبز قدم پہنچے وہاں فتنہ فساد کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں آج ہاتھوں میں سوئی نہیں قینچی ہے۔(اللہ رحم فرمائے ہماری حالت زار پر)

اسلام کو ایسے مبلغ کی ضرورت نہیں جو اپنے مفاد کے لئے ملت کے شیرازہ کو بکھیر رہا ہو۔ان ایمان فروش علماء کی ضرورت نہیں جو شریعت کو بالائے طاق رکھ کر کفار کے حکومت کے حق میں فتوے دیتے ہیں بلکہ ان علمائے اسلام کی ضرورت ہے جو تیروں کی بارش،تلواروں کی چھاؤں،توپ کے دہانے اور تختۂ دار پر بھی اعلاءِ کلمۃ الحق کرتے رہے ہیں۔اسلام کو ایسے سپاہی کی ضرورت ہے جو خدا کی راہ میں فتح وشکست سے بے نیاز ہو کر لڑ سکتا ہو۔اسلام کو نیک دل، نیک خصلت،نیک عادت اور وفادار انسان کی ضرورت ہے جو قوم وملت سے غداری نہ کرتے ہوں۔خدا کے دین کو سنگ مرمر کے ایئر کنڈیشن مکانوں میں رہنے والے شاہوں،امیروں اور شیخوں کی ضرورت نہیں جو اپنی خاندانی اقتدار اور ذاتی مفاد کے لئے اپنے امریکی اور مغربی آقاؤں کی پیروں کے تلوے چاٹ رہے ہیں بلکہ خالد بن ولید،طارق بن زیاد،صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم جیسے خوددار عربوں کی ضرورت ہے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر باطل سے لڑ سکتے ہوں۔اسلام کو ایسے دل کی ضرورت ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو ایسی گردن کی ضرورت ہے جو کسی کے سامنے جھکنا نہ جانتی ہو۔اسلام کو ایسے اتحاد کی ضرورت ہے جسے باطل کے آندھی وطوفان بھی توڑ نہ سکیں۔

دین میں اختلافات کے آغاز اور اس کے بھیانک نتائج

انسان اول موحد مسلمان تھا

دین کی تاریخ لکھنے والے، اس کے آغاز، اس کے نشونما اور اس کے عروج کی داستان قلم بند کرنے والے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے مدتوں سرگرداں رہے کہ دین کی ابتدا کیسے ہوئی تو ان کی اس طویل تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان ابتدا میں مشرک تھا اور عقیدۂ توحید تک اس کی رسائی آہستہ آہستہ سیکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہوئی لیکن قرآن بتاتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ دنیا کا پہلا انسان (حضرت آدم علیہ السلام) موحد مسلمان تھا۔ شرک سے اس کا کوئی سروکار نہ تھا اور ایک عرصۂ دراز تک اس کی اولاد عقیدۂ توحید پر قائم وثابت رہی۔

یورپی محققین کا اعتراف حق

قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم کرنے کے لئے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے آج وہ مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آثار قدیمہ کے ماہرین سر چارلس مارسٹن اور پروفیسر سمٹٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دین اولیں توحید تھا۔

قرآن کے مطالعہ سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ابتدا میں تمام انسان ایک ہی دین پر تھے اور مدتِ دراز تک ایک امت رہے۔ بعد میں جب نسل انسانی بڑھی تو لوگ اپنے مزاجوں اور طبیعتوں کے اختلافات کی وجہ سے آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے جس کی وجہ سے اولادِ آدم مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹ گئی، ان بٹے اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے اور اختلافات کی آگ کو بجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا اور ان کو رشد

وہدایت دینے کے لئے آسمانی کتابیں عطا فرمائیں۔انبیائے کرام نے اپنے وعظ ونصیحت سے ان کو جھگڑا بازی اور فرقہ بندی سے نکالنے کی کوشش کیں تاکہ منتشر انسانوں کی یہ ٹکریاں پھر ایک قوم بن جائیں۔

تاریخ کا بھیانک باب

لیکن تاریخ کا یہ کتنا بھیانک باب ہے کہ وہ آسمانی کتاب جو اتحاد واتفاق پیدا کرنے کے لئے نازل کی گئی تھی ،اس کو ماننے اور سمجھنے والوں نے اس کے ذریعے اس کو ماننے والی امت کوٹکڑے ٹکڑے کردیا۔اوران کا یہ باہمی اختلاف اورفرقہ بندی کسی حسن نیت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ حسد،کینہ،بغض وعناداورسرکشی کا جذبہ تھا جس نے ان کی قومی وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں بلکہ حد سے بھی دوقدم تجاوز کر گئے ہیں،وہ منتشر ہوکے بھی آج سب متحد ومنظم ہوگئے اور ہم ایک قرآن،ایک کعبہ اور ایک خدا پر ایمان رکھنے کے باوجود مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔علمائے سو(شکم پرور اور دنیا پرست علماء) نے ہمارے درمیان نفرت وعداوت کی اتنی بڑی دیواریں کھڑی کردی ہیں کہ اب آپس میں مل بیٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن اللہ بڑا قادروکارساز ہے وہ چاہے تو ہمارے ٹوٹے ہوئے دلوں کے رشتوں کوآنِ واحد میں جوڑ دے۔

اہل ایمان کومتحد ہونے کا حکم

اگرآپ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلام میں داخل ہوجانے کے بعد میرے اوپر جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو یہ آپ کی خام خیالی ہے اور آپ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں ۔خوب کان کھول کرسن لو!ہوش ربا مصیبتیں،کڑی آزمائشیں اورلرزہ خیز امتحانات آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔خطرے کاالارم بج چکا ہے، اگرمسلمان اب بھی بیدار نہ ہوئے اوراپنے تمام اختلافات ختم کرکے ایک اسٹیج پر نہیں آئے تو وہ اپنی بربادی کے تنہا ذمہ دار ہوں گے۔میری باتیں کان کھول کرسن لواور میرا

پیغام ہر اس شخص تک پہنچا دو جسے قوم کی مستقبل کا تھوڑا بہت خیال ہے۔

یادرکھو! جو لوگ خودکشی کا ارادہ کر چکے ہوں، انھیں کوئی بچا نہیں سکتا، جب ایک ایسی قوم جو طوفان میں غرق ہونے کا ارادہ کر چکی تھی، حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اسے تباہی سے نہ بچا سکے تو میں آنے والی تباہی سے قوم کو کیسے بچا سکتا ہوں، البتہ آنے والے خطرات اور تباہی سے آگاہ کرنا میرا دینی فریضہ ہے۔ آج جس طرح ہم خانہ جنگی اور نا اتفاقی کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ فطرت کے ساتھ ایک کھلا ہوا مذاق ہے اور فطرت اپنے ساتھ مذاق کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کیا کرتی۔ ہمارے اسلاف اسلام دشمن عناصر کے مقابلے میں ایک شیشہ پلائی دیوار تھے لیکن آج جب کہ باطل پرست ہمارے خلاف اپنی تمام تر طاقتیں منظم کر رہا ہے ہم اپنے شہر اور گاؤں کے گلی کوچوں میں اپنے مسلمان بھائی کا سر پھوڑنے کے لئے کوشاں ہیں۔

مسلمانوں! دشمنانِ اسلام کا روز، روز، نئے نئے عنوان کا نام لے کر شر وفساد پھیلانا قدرت کے طرف سے تمھیں ایک وارننگ ہے کہ اگر مسلمان اس فسطائی طاقت کے خلاف متحد اور منظم نہ ہوئے تو سب کی تباہی و بربادی یقینی ہے۔ قرآن کریم سے درس حیات حاصل کرو، قرآن تمھیں ایک مضبوط اتحاد اور تنظیم کا درس دے رہا ہے کہ تم ان اختلافات اور فرقہ بندی سے اپنا دامن بچانا جس سے پہلی امتوں کو واسطہ پڑا تھا جس طرح سابقہ امتوں میں ان کے افراد نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے فتنہ فساد اور نا اتفاقی کی تخم ریزی کی، اسی طرح تم میں بھی ایسے ایسے فتنہ باز پیدا ہوں گے جو اپنی ذاتی وقار اور سستی شہرت کے لئے قرآن وسنت کے نام پر قوم وملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کریں گے۔ مشاہدہ کے لئے اب آپ خود ہی اپنے گرد وپیش نگاہ ڈالئے جتنے نئے نئے فرقے جتنے نئے نئے مذاہب جنم لے رہے ہیں، کہنے کے لئے تو ان کے بانی امت کی اصلاح اور قوم کی فلاح کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کی یہ فتنہ بازیاں آئے

دن جو گل کھلا رہی ہیں ،ان کے باعث امت کا شیرازہ بکھرتا چلا جارہا ہے،کاش! حضور کی ذات گرامی کو ہدف تنقید نہ بنایا ہوتا ،کاش ! یارلوگوں کی زبانیں بارگاہِ رسالت میں گستاخی سے باز رہتیں تو آج امت کا یہ حال نہ ہوتا۔آج غلط عقائد، فاسد خیالات اور باطل نظریات ہمارے ایمانی قلعوں کو ڈھارہے ہیں۔حضور کی اتباع، فرمانبرداری اور آپ کی تعظیم ہی وہ اساس محکم ہے جس پر اتحاد ملت کا ایوان تعمیر ہوسکتا ہے اور جب بھی یہ اساس (بنیاد) متزلزل ہوگئی اس کے بعد ملت کے انتشار کو دور کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہے گی۔آج اتحاد بین المسلمین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ صرف اور صرف یہی ہے جس کا علاج ممکن ہے، اللہ تعالیٰ نادان دوستوں کو وہ عقل وفہم عطا فرمائے کہ وہ مقام نبوت کو سمجھ سکیں۔

اجتماعیت کے اصولوں پر جینا سیکھو

زندگی کی اس رزمگاہ میں جہاں فتح وشکست، تعمیر وتخریب، بناؤ اور بگاڑ، فنا اور بقا کا ایک ناختم ہونے والا چکر چل رہا ہے، کوئی قوم عزت وقار کے ساتھ اس وقت تک زندہ وسلامت نہیں رہ سکتی ہے جب تک اس کے افراد میں اتحاد واتفاق نہ ہو اور کوئی اتحاد واتفاق اس وقت تک پائیدار نہیں ہوسکتا ہے جب تک محکم اور حقیقی بنیادوں پر اس کی عمارت تعمیر نہ کی گئی ہو۔امت مسلمہ جو دولت رشد وہدایت اور رحمت خداوندی کی قاسم بنا کر بھیجی گئی ہے، جسے ہر باطل سے ٹکرانا ہے اور ٹکرا کر اسے پاش پاش کرنا ہے، جسے قلب ونظر کے سارے صنم کدے مسمار کرنے ہیں، جسے ہر دل کو بیت اللہ اور ہر نگاہ کو اس کا سناشا بنانا ہے۔اس قوم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لئے نہ سہی اپنے بلند اور پاکیزہ مقاصد (اسلام کا پیغام ان قوموں تک پہنچانا جو تاریکیوں میں بھٹک رہی ہیں) کے لئے زندہ رہے اور عزت وقار سے زندہ رہے تاکہ اس کی آواز سنی جائے اور مانی جائے اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے افراد میں اتحاد واتفاق ہو اور یہ اتحاد واتفاق سطحی نہ ہو جسے کوئی تیز وتند لہر بہالے جاسکے بلکہ حقیقی اور پائیدار ہو

اور ایسی مستحکم و پائیدار ہو جس سے مضبوط تر اور کوئی بنیاد ہو ہی نہ سکے۔

رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے جزیرہ نما کی کیا حالت تھی۔ سیر و تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آپس میں پیار و محبت، شفقت و رحمت کرنے والے انسانوں کا ملک نہ تھا، بلکہ ایک کوہِ آتش فشاں تھا جس سے ہر وقت اور ہر لمحہ بغض و عناد کی آگ برستی تھی اور دور دور تک آبادیاں جل کر خاکستر ہو جایا کرتی تھیں، ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے برسرِ پیکار تھا، ہر علاقہ دوسرے علاقے سے جنگ آزما تھا۔ جذبات اتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہہ جایا کرتی تھیں۔ ایک بار اگر جنگ کی آگ سلگ پڑتی تو صدیوں تک اس کے شعلے بھڑکتے رہتے۔ اوس اور خزرج (عرب کے دو متحارب قبائل) میں لڑائی کا سلسلہ ایک سو بیس سال تک جاری رہا، کسی کی جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی، ایسے وقت میں اسلام کا بادل آیا اور رحمت خداوندی بن کر برسا۔ حضور سراپا نور کا ظہور ہوا تو عرب کے اجڑے ہوئے دیار میں بہار آ گئی۔ عداوت کی جگہ محبت نے اور وحشت کی جگہ انس نے، انتقام کی جگہ عفو و درگزر نے، خودغرضی کی جگہ اخلاص و ایثار نے اور غرور و تکبر کی جگہ تواضع و انکساری نے لے لی۔ اسلام کا یہ وہ عالمگیر انقلاب تھا جس نے عربوں کی کایا پلٹ دی اور جس کی برکتوں سے عرب کے صحرانشینوں نے تاریخ عالم کا رخ موڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان عظیم کر کے کس طرح اپنے محبوب کی برکت اور فیض نگاہ سے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور سب کو بھائی بھائی بنایا اور ذلت و رسوائی کے پستیوں سے نکال کر ترقی و عزت کے شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ لوگ دوزخ کے کنارے کھڑے تھے بس آنکھ بند کرنے کی دیر تھی اور لوگ اس گڈھے میں گر پڑتے لیکن رحمت الٰہی نے دستگیری فرمائی اور جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے انسانوں کو اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے ہدایت کا راستہ دکھایا، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ان احسانوں کو یاد کریں جو ہم پر کئے گئے ہیں۔

ہمیں قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھنا اوراس پر عمل کرنا چاہیے تاکہ ہماری صفوں میں انتشار پیدا نہ ہو، اگر ہم آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے تو ہماری طاقت کمزور ہو جائے گی اور دشمن ہمارے اوپر غالب آجائے گا اس لئے ہمیں اپنے صفوں میں پھوٹ اور انتشار کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔

ماضی ایک درس عبرت

یثرب (قبل اسلام مدینہ کا نام یثرب تھا) کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں عرصۂ دراز سے دشمنی چلی آتی تھی۔ بارہا یہ قبیلے ایک دوسرے سے جنگ کر چکے تھے جن میں وہ ایک دوسرے کو بڑی بے دردی سے قتل کیا کرتے تھے۔ حضور سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یثرب (مدینہ منورہ) کی سرزمین کو اپنے مبارک قدموں سے نوازا تو حضور کی تعلیم کی برکت سے ان دونوں قبیلوں کو اسلام کی دولت مل گئی اور ان کی پرانی عداوت وخاندانی دشمنی اخوت ومحبت میں بدل گئی۔ دونوں قبیلے اسلامی بھائی چارہ کے تحت باہمی اتحاد ومحبت سے رہنے لگے۔ اوس اور خزرج کی یہ باہمی مصالحت اور دوستی یہود کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ ایک روز شاس بن قیس نام کا ایک یہودی کا گزر ایک ایسی محفل سے ہوا جس میں اوس اور خزرج پیار ومحبت کے جذبات سے شرسار ہو کر مصروف گفتگو تھے۔ یہ دیکھ کر وہ جل بھن گیا واپس لوٹ کر گھر آیا اور اپنے ایک دوسرے یہودی دوست کو اس مجلس میں بھیجا۔ وہ مجلس میں گیا اور ایسے ایسے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جن میں ان کی پرانی جنگوں کا ذکر تھا جو ایک سو بیس سال تک جاری رہی تھی، اس کی یہ چال کامیاب ثابت ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اوس اور خزرج میں ترش کلامی شروع ہو گئی جس نے بڑھتے بڑھتے بھیانک جنگ کی شکل اختیار کر لی، آن واحد میں تلواریں سونت لی گئیں نیزے سنبھال لئے گئے اور صفیں درست کر لی گئیں، اسی اثناء میں اس کی اطلاع حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ جلدی جلدی اپنے صحابہ کے ساتھ اس مقام پر پہنچے اور خود دونوں صفوں کے درمیان کھڑے

ہوگئے اور فرمایا کہ اے اوس اور خزرج! یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ میری موجودگی میں تم عہد جاہلیت کے رسم کو تازہ کررہے ہو؟ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہے اور تمہارے دشمن کی سازش ہے۔ حضور کا یہ فرمان سن کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایک دم انھوں نے ہتھیار زمین پر پھینک دیئے اور وہ آنکھیں جن سے ایک لمحہ پہلے غصہ وغضب کے شعلے نکل رہے تھے اب اشکبار تھیں اور وہ دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے۔ یہ تھے نبی کے فرمان پر عمل کرنے والے پاکیزہ لوگ!

حضور کا یہ فرمان امت مسلمہ کے لئے قابل عمل ہے۔ آج اگر فرمان رسالت پر عمل کرلیا جائے تو آپسی تمام رنجشیں، عداوتیں، خود بخود مٹ جائیں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا آج تمام عداوتوں اور رنجشوں کو دور کرنے کے لئے قرآن وسنت ہمارے لئے کافی نہیں؟ آیئے ہم اور آپ قرآن وسنت کو اپنا حکم تسلیم کرلیں۔

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
(علامہ اقبال)

کفر سے کفر بغل گیر نظر آتا ہے
کیوں نہیں ہوتے مسلمان مسلماں سے قریب
(محدث اعظم کچھوچھوی)

اپنے مرکز سے غداری کے بھیانک نتائج

یاد رکھو! اتحاد ایک ملت کے لئے زندگی ہے اور نفاق موت ہے۔ جب تک تم میں اتحاد رہے گا تم عزت کے ساتھ زندہ رہو گے مگر جب تم میں پھوٹ ہوجائے گی تو دنیا کی یہ

ظالم قومیں تم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں گی اور تم غلام بنا دیئے جاؤ گے۔صدیوں پہلے گزرے ہوئے واقعات اگر کریدنے سے آپ اجتناب کرتے ہیں تو آیئے انیسویں صدی پر ہی نگاہ ڈالیں، ہندو پاک میں ملت اسلامیہ پر کیا گزری، یورپ کے عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کو کس طرح ایک دوسرے کے خلاف اکسا کر اسلامی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔مشرق وسطیٰ کے مسلمان فرمانرواؤں نے کس کی انگیخت پر سلطنت عثمانیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا؟ اگر آپ بالتفصیل یہ تمام تاریخی داستان جاننا چاہتے ہیں تو اردو میں تاریخ نجد وحجاز کا مطالعہ کیجئے۔ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی کہ جب مشرق وسطیٰ کی مسلمان ریاستوں نے اپنے مرکز سلطنت عثمانیہ سے غداری کی اور پہلی جنگ عظیم کے بعد برطانیہ،فرانس نے ان کے حصے بخرے کر کے انھیں کئی کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں میں تقسیم کر دیا تو فلسطین میں انگریزی تسلط قائم ہو گیا ،عراق اور فلسطین انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا،شام اور لبنان فرانسیسیوں کے تسلط میں چلے گئے اور عربوں سے کہا گیا کہ تم ابھی حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو، کچھ عرب علاقوں پر بنام مسلم اپنے پٹھوؤں کو بٹھا دیا جو ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں۔پہلی جنگ عظیم کے بعد فلسطین کو ایک یہودی وطن بنانے کی تحریک شروع ہوئی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اس تحریک کو برطانیہ اور امریکہ کی پُر زور تائید حاصل ہوگئی اور انھیں کے سنگینیوں کے سائے میں عالم اسلام کے دل میں سامراجیت اور صہیونیت کا خنجر اتار دیا گیا یعنی ایک اسرائیلی ریاست قائم ہوئی۔اس طرح فرنگی سیاست نے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر مسلمانوں کے سینوں میں ترازو کر دیا جو نا معلوم کب تک سوھان روح بنا رہے گا۔

اسرائیل کا قیام

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اسرائیل کا قیام امریکہ اور برطانیہ کی ناپاک کوششوں

کا کرشمہ ہے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گہری اور گھناؤنی سازش کا نتیجہ ہے لیکن عرب حکومتوں کو نظر انداز کر دینا حقیقت شناسی نہیں، جس وقت اسرائیل کی نوزائیدہ مملکت کو مضبوط اور مستحکم کرنے میں امریکہ اور برطانیہ مصروف تھے۔اس وقت مسلم حکمراں باہمی رقابتوں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سازشوں میں اس طرح منہمک رہے کہ وہ اس مشترکہ خطرے کے سدباب کے لئے زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہ کر پائے۔ان کی یہ تیز وتلخ دھمکیاں دشمن کو ہوشیار اور چوکنا کرتی رہیں اور انھیں اپنی صفوں میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس تک نہ ہوا۔ شاید انھوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ کھوکھلی دھمکیوں اور بلند بانگ دعوؤں سے وہ دشمن کو مرعوب کرلیں گے مگر نتیجہ برعکس نکلا۔اسرائیل کے کار پرداز اپنی فوج اور رعایا میں مذہبی جوش وجنون پیدا کرتے رہے اور ہماری عرب سلطنتیں اسلام سے دور ہٹتی چلی گئیں۔انھیں اسلام سے زیادہ اب اپنی قومیت عزیز ہوگئی۔انھیں صدیق وفاروق کے جانشین ہونے کا ناز نہ تھا بلکہ وہ اس بات پر فخر کرنے لگے تھے کہ ان کی رگوں میں فرعونوں کا خون ہے۔قدرت کا قانون اٹل ہے،ان سے مسلمان مستثنیٰ نہیں، جو قوم ایسے بدترین انتشار کا شکار ہو جسے دوست اور دشمن کی پہچان نہ ہو جس کے امراء اور حکمران عیش پرست ہوں اور جس کے سپاہی جذبۂ جہاد سے محروم ہوں ان کو شکست نہ ہوگی تو کیا فتح ہوگی؟ وہ ہولناک جنگ جو ۵/ جون ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل کے درمیان ہوئی جس میں عرب تین دن تک بھی اسرائیل کا مقابلہ نہ کر سکے۔اس وقت حالات یہ تھے کہ عرب حکمراں ایک دوسرے کو ذلیل ورسوا کرنے میں اپنا سارا زور صرف کررہے تھے۔جنوری ۱۹۹۱ء میں عراق کی شکست قطعاً قابل حیرت نہیں اس کے بھی ایسے ہی روشن اسباب ہیں جنھیں مکتبۂ سیاست کا ایک مبتدی بھی خوب جانتا ہے۔

مشرق وسطیٰ کے مسلمان حکمراں باہمی رقابت کے شکار

یہ بات کون نہیں جانتا کہ قلب اسلام میں اسرائیلی حکومت کا قیام یہود کا اپنا کارنامہ نہیں بلکہ مغربی سیاست کی ایک شیطانی سازش اور گھناؤنی کوششوں کا نتیجہ ہے جو مسلمانوں سے زیادہ اسلام کے خلاف کی گئی ہے۔ یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ اسرائیل کی بقا کا انحصار یورپ اور مریکہ کی امداد پر ہے، آج اگر وہ دست کش ہوجائیں تو یہ منحوس اور شیطانی ریاست اپنی موت آپ مرجائے، یہ ایک غم انگیز حقیقت ہے اور ہماری تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب ہے کہ اگر مشرق وسطیٰ کے مسلمان حکمراں باہمی رقابت کا شکار نہ ہوتے اور جنوری ۱۹۹۱ء میں انھوں نے جنگ خلیج میں عراق کے مرد آہن صدر صدام حسین کا ساتھ دے دیا ہوتا تو یہ منحوس ریاست آج دنیا کے نقشے پر موجود نہ ہوتی مگر جو کچھ ہوا برعکس ہوا۔

جنگ خلیج میں مسلم ممالک نے عراق کو بے یار و مددگار چھوڑ کر اسلام دشمن طاقتوں کی حمایت کی اور ان کی اعانت میں سرگرم رہے اور اس طرح یہ بے غیرت و بے حیا مسلم ممالک امریکیوں کا اتحاد بن کر عراق سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوگئے اور اس طرح مستعد و آمادہ ہوئے جیسے کہ وہ کفار سے برسرپیکار ہیں۔کوئی شخص اگر ان غداروں سے پوچھے کہ تم نے اسلام دشمنوں کی خدمت کیوں کی اور اتحادی بن کر ان کا ساتھ کیوں دیا؟ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ تمہاری یہ حرکت قرآن وحدیث، اسلامی اخوت، سیاست اور آئین اسلام کے خلاف ہے تو وہ جواب دیں گے کہ جناب ہم کیا کرسکتے تھے، دشمنوں نے ہمیں اس کام کے کرنے پر مجبور کردیا تھا اگر ہم ایسا نہ کرتے تو عالمی بینکوں سے ہمیں قرض کی رقم نہیں ملتی جس کے نتیجے میں ہمیں اقتصادی طور پر نقصانات اٹھانا پڑتا، اس لئے ہم اگر عراق کے ساتھ برسرپیکار ہوئے تو انتہائی مجبوری

کی حالت میں ۔میں کہتا ہوں اس قسم کے بے ہودہ عذر پیش کر کے کوئی غدار نام کا مسلمان اپنی صفائی نہیں دے سکتا اور نہ ہی یہ کوئی جائز اور درست عذر ہے، ممکن ہے آپ یہ کہیں کہ اس قسم کے غدار حکمراں دنیائے اسلام میں بہت کم ہیں اور تمام مسلمان ان کی بدکاریوں اور برائیوں کے ذمہ دار نہیں ہیں تو اس کے جواب میں گزارش ہے کہ سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب اللہ کی رحمت اترتی ہے تو وہ خاص ہوتی ہے اور جب قہر نازل ہوتی ہے تو عام ہوتی ہے، میں یہ کبھی تسلیم نہیں کرسکتا ایسے حکمرانوں کی غداری کے عام مسلمان ذمہ دار ہیں، اس لئے کہ اگر تمام مسلمانوں کو اپنے فرائض کا احساس ہوتا اور وہ غدار حکمرانوں کی سرکوبی میں لگے رہتے یا وہ اپنے منافق حکمرانوں کے خلاف آوازِ حق بلند کرتے تو یہ کبھی بھی ان کے دین وایمان، خودداری اور غیرت کو امریکہ اور یورپ کے ہاتھوں میں فروخت کرنے کی جرأت نہ کرتے بلکہ ان کی حالت یہ ہوتی کہ اسلام دشمن ممالک ان کے سامنے جب کوئی ایسی تجویز پیش کرتے جو اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ ہوتی تو انھیں چاہیے تھا کہ اسے رد کردیتے اور اگر رد نہیں کرسکتے تو کم از کم اتنا ضرور کرسکتے تھے کہ اپنے عہدوں سے مستعفی ہوکر اپنے گھروں میں جا بیٹھتے ۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ ممالک یہ عہدے بعض دوسرے مسلمانوں کو دے دیتے ،لیکن جب وہ یہ دیکھتے کہ یہ نئے عہدے دار بھی ہماری اس تجویز کو قبول نہیں کررہا ہے تو انھیں مجبوراً یہ نتیجہ نکالنا پڑتا کہ اسرار وتکرار اور ضد سے اب کوئی فائدہ نہیں اور اس کے بعد وہ اپنے اس مذموم ارادے سے ہاتھ اٹھا لیتے لیکن جو کچھ ہوتا ہے وہ انتہائی افسوس ناک ہے ۔غیر مسلم ممالک مسلمانوں ہی کی امداد سے اسلام اور مسلمانوں کو برباد کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ ہمارا تو اس میں کچھ بھی قصور نہیں یہ جو کچھ ہورہا ہے تمہارے اپنے بھائیوں ہی کا کیا دھرا ہے ۔

اس طرح اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسلمان زوال پذیر کیوں ہوئے؟اور اغیار کو عروج کیسے حاصل ہوا نیز مسلمانوں کے زوال کے بنیادی اسباب کیا ہیں تو ان سوالوں کا جواب صرف اورصرف اپنے دین اور اپنی قوم سے غداری ہے،تاریخ کے اوراق ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دین اور اپنی قوم سے غداری کا ثبوت دیا ہے۔جس کے نتیجے میں وہ زوال پذیر ہو گئے۔سچ فرمایا حضرت سلطان صلاح الدین ایوبی نے''مسلمان کا دشمن اگر مسلمان نہ ہوتا تو آج مسلمان پوری دنیا کو فتح کر لیتا۔''

کفار ومشرکین لائق اعتبار نہیں

یاد رکھو! کوئی غیر مسلم کسی مسلم کا دوست نہیں ہوسکتا۔مسلمانوں نے اسی وقت چوٹ کھائی ہے جب انھوں نے اغیار پر اندھا اعتماد کیا اور اپنے تمام اہم معاملات ان کے سپرد کیا۔اپنے سیاہ وسفید کا انھیں مالک بنایا،ہر بات میں ان کے مشوروں پر عمل کیا۔کان کھول کر سنو! اسلام کفار ومشرکین کے ساتھ ایسی دوستی ممنوع اور حرام قرار دیتا ہے جس سے قوم وملت کے مفاد پر ضرب لگے،نیز اگر ایک اسلامی مملکت دوسری اسلامی مملکت کے خلاف کسی غیر مسلم حکومت کی امداد کرتی ہے تو گویا وہ اپنی ملی وحدت کا جنازہ نکال رہی ہے۔اگر ہم اپنے ایک مسلمان بھائی کے خلاف کسی کافر کی اعانت کر کے اسے شکست دیتے ہیں تو حقیقت میں ہم اپنے آپ کو کمزور کرتے ہیں اور اپنے دشمن کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں۔اسلام نے کسی کے ساتھ کار خیر میں تعاون کرنے سے منع نہیں کیا لیکن اس نے دوسروں سے فریب اور دھوکہ کھانے سے ضرور روکا ہے اور اپنے ماننے والوں سے کہا ہے کہ یہ دشمن اسلام جو آج تو اپنے اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے تم سے میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہے اور طرح طرح کے سبز

باغ بھی دکھا رہا ہے لیکن جب کل اس کی اغراض تمہارے مفاد سے ٹکرائے گی تو وہ تمہارا قلع قمع کرنے میں دریغ نہیں کرے گا اور اس وقت اسے یاد بھی نہ ہوگا کہ تم اس کے مخلص دوست ہو جس کے خاطر اپنے دینی بھائیوں کا خون بہایا تھا جو لوگ اسپین کے زوال و بربادی کے خونچکا داستان سے واقف ہیں یا جنھوں نے سلطنت مغلیہ کے انحطاط کے دور میں بنگال اور جنوبی ہند کے مسلمان نوابوں کی غلط کاریوں اور جنگ خلیج میں امریکہ کا ساتھ دینے والے سعودی اور مسلم حکمرانوں کی غداریوں کا جائزہ لیا ہے انھیں قدم قدم پر قرآن کے اس حکم کی اہمیت اور صداقت کے واضح ثبوت ملیں گے۔ تفسیر المنار میں ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ایسی دوستی ممنوع اور حرام ہے جس سے تیرے دین کی رسوائی ہو یا تیرے دینی بھائی کو اذیت پہنچے یا ان کے وقار اور مفاد کو نقصان پہنچے۔

یہ تمام تاریخی اور قرآنی شواہد پیش کرنے کا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ انھیں حقیقت حال سے آگاہ کر کے خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے اور انھیں یہ پیغام دینا ہے کہ تمام مسلمان بالخصوص ہمارے عرب بھائی اپنے سرچشمۂ حیات (اسلام) کی طرف رجوع کریں۔ یہیں سے انھیں مستحکم اتحاد کی دولت ملے گی، یہیں سے انھیں جوش جہاد نصیب ہوگا، یہیں سے انھیں وہ قوت وطاقت عطا ہوگی جو انھیں فتح ونصرت کی بلندیوں کی طرف لے جائے گی۔ قوموں کی زندگی میں دس بیس سال کا عرصہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے اسرائیل اور اس کے جیسی اسلام دشمن طاقتوں کی عارضی کامیابی کو دیکھ کر کسی کو شک وشبہ کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ یہ تمام ممالک عالم اسلام کے خلاف اسی طرح غنڈا گردی کرتے رہیں گے اور ان کی اقبال کا ستارہ اسی طرح بلند رہے گا، کسی بھی قوم کا ستارہ ہمیشہ عروج پر نہیں رہتا۔ ’’ہر کمال را زوال و ہر زوال را کمال‘‘ یہی قدرت کا فیصلہ ہے۔

عظمت اسلام کے پاسباں

ایک دور وہ تھا جب ساری دنیا میں مسلمانوں کا طوطی بولتا تھا۔ ۱۵/جون ۱۳۱۹ء کو ترکوں (سلطنت عثمانیہ ترکی کے جاں باز سپاہی) سے جن کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی سوا لاکھ دشمنوں سے مقابلہ ہوا۔ ان سوا لاکھ میں چار ممالک کی متحدہ فوجیں مسلمانوں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ کفر اور اسلام کے درمیان خوب گھمسان کی جنگ ہوئی اور چالیس ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ پچیس ہزار متحدہ طاقت کو پاش پاش کر دیا۔ فضائیں ''اسلام زندہ باد'' کے نعروں سے گونج اٹھیں۔ البانیہ (یوگوسلاویہ) کے عیسائی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، انھوں نے سمجھ لیا کہ ایک چھوٹی سی طاقت اپنے سے کئی گنا لشکر کو شکست دے دی، یقیناً اس میں روحانیت کام کر رہی ہے اور چشم فلک نے وہ ایمان افروز منظر بھی دیکھا جب ساحل اندلس پر لنگر انداز ہونے کے بعد طارق نے اپنے کشتیوں کو جلا دیا تھا پھر یہ کشتیاں جلانے والے مجاہد سہاب کرم بن کر یورپ کے مطلع پر چھا گئے۔ وہ سرزمین جس میں ان پاکبازوں کے قدم رنجاں سے پہلے وحشت وبربریت تھا ان کے قدم رکھتے ہی امن وشانتی اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ بن گئی۔ یورپ کے وسیع وعریض خطے پر اسلام کا ہلالی پرچشم لہرانے لگا، وہاں کی بنجر زمینیں اور بے آب وگیاہ صحرا لالہ زاروں اور شاداب مرغزاروں میں بدل گئے، مدارس وجامعات کا ایک متناہی سلسلہ نظر آنے لگا، مساجد کی فلک بوس میناروں سے اذان کی دل نواز اور روح پرور صدائیں بلند ہونے لگیں، صوفیا کی خانقاہیں اہل دل کا مرکز بن گئیں، جرمن، فرانس اور انگلینڈ کے تاجدار حلقہ بگوش، غلاموں کی طرح مؤدبانہ ان کے دربار میں حاضر ہونے لگے، یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب مسلمان متحد اور منظم تھے۔ رسول کی وفاداری ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ بانیٔ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے عشق وعقیدت کا چراغ ان کے سینوں میں روشن وضوبار تھا۔

زوالِ اسپین ایک تازیانۂ عبرت

پھر وہ منحوس ساعتیں بھی آئیں جب اس سرزمین کو فرزندان توحید کے خونوں سے سرخ کردیا گیا جو دوسروں کے عصمت وآبرو کے محافظ تھے۔ان کی ہی بہو بیٹیوں کے چادرعصمت کو بڑی بے دردی اور بڑی بے حیائی سے تارتار کیا گیا۔لاکھوں مسلمانوں کو آگ کے شعلوں میں جھونک دیا گیا، بے شمار کلمہ گو بکریوں کی طرح سرراہ ذبح کردیئے گئے، گنتی کے چند مسلمان اپنا ایمان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے اور جو وہاں رہ گئے، انہیں جبراً عیسائی بنالیا گیا جنھیں بعد میں ''نیو کرسچن'' کا نام دیا گیا، اور یہ قیامت اس وقت ٹوٹی جب مسلمان ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔مساجد ویران نظر آنے لگی تھیں، اتحاد واتفاق کے بجائے منافقت اور باہمی عداوت نے اپنے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔روزہ، نماز، احکام الٰہی اور فرمان رسول سے بے رخی ان کا شیوۂ حیات بن چکا تھا جن کے باعث ان پر یہ مصیبتیں نازل ہوئیں۔جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ تمہارے اوپر جو مصیبتیں آئیں اور تکلیفیں پہنچیں یہ سب تمہارے بداعمالیوں کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہاری بہت سی خطاؤں کو معاف بھی فرما دیتا ہے، نیز یہ بھی قانون فطرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک قوم خود اپنی حالت نہ بدلے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

آج امت مسلمہ کو جن حالات ومصائب کا سامنا ہے وہ آپ مشاہدہ کرہی رہے ہیں۔پوری دنیا میں مسلمانوں پر مظالم ہورہے ہیں، ہر جگہ مسلمانوں کی نسل کشی کی جا

رہی ہے، فلسطینی گھر سے بے گھر ہورہے ہیں۔ یوگوسلاویہ میں سربیائی فوجیں بوسینا کے مسلمانوں کا قتل عام کررہی ہیں اور اب تو ہر جگہ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے ہسپانوی طریقے کو اختیار کیا جارہا ہے، ایسے حالات میں وقت کے فرعونوں کا سر کچلنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے اور موجودہ ظالموں کے پنجۂ ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تمام مسلمانوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس سوال کا جواب اور اس مسئلے کا حل قرآن وسنت کے روشنی میں صرف اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان اور مسلم حکومتیں آپس میں متحد ومنظم ہوجائیں اور سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن وسنت کے احکام) کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔

عالم اسلام کی دو مثالی شخصیتیں

آج ملی اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آپس کی بدگمانیاں اور کچھ غلط فہمیاں بھی ہیں جنھیں سوچ سمجھ کر دور کیا جاسکتا ہے، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو بدگمانیوں سے الگ ہوکر سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اِن شاءاللہ تعالیٰ غلط فہمیاں دور ہوں گی اور اختلافات کے بڑھتے ہوئے خلیج کو روکنے میں کافی مدد ملے گی۔ آج ہم فروعی مسائل اور اندرونی معاملات میں بری طرح الجھ چکے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے درمیان اختلافات کے واقعات دور خلافت میں بھی پائے جاتے تھے لیکن ان اختلافات کا حل کس طرح کیا گیا اور جب اتحاد ضروری ولازمی تھا تو اس وقت صحابۂ کرام نے اپنے ایک ہونے کا ثبوت کس طرح دیا۔ ان حالات وواقعات سے آج کا مسلمان بے خبر ہے، ہم جس دور کے حالات قلم بند کررہے ہیں، اس دور میں اسلامی ریاست دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک ملک شام کا علاقہ تھا جس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حکومت کررہے تھے اور جس کی راجدھانی دمشق تھی اور دوسرا عراق کا علاقہ تھا جس پر حضرت علی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ حکمراں تھے اور جس کی راجدھانی کوفہ تھی۔ دورِ خلافت میں حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو چکے تھے جس کے نتیجے میں ان کے درمیان کئی ایک جنگیں بھی ہوئی ہیں۔ آج کی طرح اس وقت کے اسلام دشمن طاقتوں نے اس اختلافات کا فائدہ اٹھانا چاہا اور عراق کے شمالی حصے پر حملہ کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ حضرت امیر معاویہ کو جب اس صورت حال کی اطلاع ملی تو آپ نے اسی وقت ایک خط عیسائی حکمراں کے نام پر لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ اے رومی کتے! اگر تو ہمارے آپس کے اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اسلامی مملکت پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جس لشکر کے علی سپہ سالار ہوں گے اس لشکر کا معاویہ ایک ادنی سپاہی ہوگا۔ اس خط کو پاتے ہی عیسائی حکمراں خوفزدہ ہو گئے اور انھوں نے عراق پر حملہ کا ارادہ ترک کر دیا۔

یہ تھا حضرت معاویہ کا کردار۔ اور آج ہمارے مذہبی رہنماؤں یا سیاسی لیڈر خواہ معاملہ مسلمانوں کی حفاظت کا ہو یا اسلامی شریعت کا۔ کوئی کبھی بھی اپنی پوزیشن سے نیچے اترنا نہیں چاہتا اور اس طرح کے صلح اور سمجھوتہ کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ موجودہ صورت حال کا جائزہ لیجئے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ملی اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ اخلاص کی کمی، ذاتی مفاد اور گروہ بندی ہے۔

امید ہے تاریخ اسلام کا یہ واقعہ ہم سب کے لئے ایک درس عبرت ثابت ہو۔

یاد رکھو! آگ صرف اور صرف جلانا جانتی ہے جب وہ جلائے گی تو محلوں اور جھونپڑوں میں تمیز نہیں کرے گی یہاں اگر مشترکہ طور پر ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیئے تو ہمیں اجتماعی بربادی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

ہمارے مذہبی رہنماؤں اور سیاسی لیڈروں کے لئے لمحۂ فکریہ

مسلمانوں تمہاری یہ خود غرضیاں اور آپس کی یہ خانہ جنگیاں تمہیں لے ڈوبیں گی۔ آج فرقہ پرست یہ سوچ رہے ہیں کہ مسلمان مختلف طبقات اور گروپوں میں بٹے

ہوئے ہیں اور آپس میں لڑ جھگڑ کر کمزور ہو چکے ہیں اس لئے ان کی کمزوری و نااتفاقی سے فائدہ اٹھالو۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام مسلمان جنھیں متحد و منظم ہو کر کام کرنا چاہیے اب وہ اپنی دو دو اینٹ کی مسجدیں اور مدرسے لے کر الگ ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے مسلم کمیونٹی چھوٹے چھوٹے قبیلوں اور برادریوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جو کسی بھی طرح سیاسی اعتبار سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تمام مسلمان متحد ہوں اوران کی کوئی مضبوط سیاسی جماعت ہو جو موجودہ تمام سیاسی جماعتوں سے ٹکر لے سکے اور مسلمانوں کی صحیح طور سے نمائندگی کرے لیکن فی الحال ایسی کوئی جماعت نظر نہیں آتی، ملت اسلامیہ آج مختلف حصوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جس کی وجہ سے اس قوم کا ووٹ اور سیاسی طاقت مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹ کر بے اثر ہو گئے ہیں لہٰذا ہمیں سب سے پہلے منتشر توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا ہے اور ایک مضبوط سیاسی جماعت تشکیل دینا ہے تبھی ہمیں یہاں غلبہ اور بالا دستی حاصل ہوسکتی ہے۔ یادرکھو! جو قوم سیاست میں نہیں وہ مغلوب اور محکوم ہوتی ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

اسلام اور وحدانیت

خالق کائنات کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں

اگر آپ اقوام عالم کے مذہبی عقائد کا مطالعہ کریں تو آپ ششدرہ ہو کر رہ جائیں گے ۔خالق کائنات کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں سن کر آپ کا دماغ چکرانے لگے گا اور دل ڈوبنے لگے گا۔بعض نے تو کسی خدا کو ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ان کے نزدیک یہ جہان رنگ و بو اتفاقاً محض بطور حادثہ پیش ہو گیا ہے۔کسی کی حکمت، کسی کے علم، کسی کے قدرت کا اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔یہ چرخ نیلوفری، یہ کرۂ زمین، اس میں فلک بوس پہاڑ، اور ان پہاڑوں میں ابلتے ہوئے چشمے، رواں دواں ندیاں، ان کے دامن میں مہکتے ہوئے رنگین پھول اور مسکراتی ہوئی کلیاں، شبنم کے قطرے، سمندر کی بے پناہ گہرائیاں اور اس میں مچلنے والی موجیں خود بخود ظہور پذیر ہو گئیں۔نیلگو آسمان میں چاند و سورج کے چراغ خود ہی روشن ہو گئے ۔ انگنت ستاروں کی جگمگاہٹ کسی خالق کی قدرت تخلیق کا کرشمہ نہیں۔یہ عقیدہ اور نظریہ دہریوں اور ملحدوں کا ہے۔

خود ساختہ خداؤں کے سیاہ کارنامے

بعض قومیں ایک خدا کی قائل تھیں، بعض دو، بعض تین اور بعض نے تو تینتیس (۳۳) کروڑ خدا بنا ڈالے اور ان خداؤں کی معاشقوں کی داستانیں (پریم کہانیاں) بڑی اخلاق سوز ہیں۔ان میں رقابت کی آگ بھی بھڑکی ،انھوں نے ایک دوسرے کی بیویوں کو اغوا تک بھی کیا۔ان سے زنا بالجبر کیا جس کے نتیجے میں ان کے درمیان خون ریز جنگیں بھی ہوئیں۔ان کی ناجائز اور حرامی اولاد بھی پیدا ہوئی۔غرضیکہ اس سلسلے میں بدتمیزی کا وہ طوفان برپا کیا کہ بس خدا کی پناہ! اور سب سے حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان خرافات کو ماننے والے، ان پر ایمان رکھنے والے، بڑے جوش وخروش سے اس مت

' کا پرچار کرنے والے کوئی معمولی قسم کے آدمی نہ تھے۔ان میں فلاسفر بھی تھے،منطقی بھی،ان میں ایڑی چوٹی کے سائنسداں بھی تھے اور ریاضی داں بھی ، یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالرس بھی تھے اور بڑے بڑے ڈاکٹر و پروفیسر بھی۔مختصر یہ ہے کہ دانشوروں، مذہبی رہنماؤں ،سیاسی لیڈروں اور بے مثال فاتحین کا ایک جم غفیر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔

محسن انسانیت اوراعلان حق

ہندوستان ،چین، یونان اور مصر جہاں تہذیب وتمدن کے چراغ روشن تھے یہ کیفیت وہاں وہاں کی تھی ۔خود محسن انسانیت محمد عربی جس ملک میں تشریف لائے وہاں سونے چاندی،تانبے،فولاد، پتھر اور لکڑی کے بے شمار خداؤں کا ڈنکا بج رہا تھا۔جب ہادئ عالم نے کوہِ صفا کی چوٹی پر کھڑے ہوکر اپنی رسالت اور اللہ کی وحدانیت کا اعلان کیا تو لوگوں کے ذہنوں میں کھل بلی مچ گئی ۔سوالات واستفسارات کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔فرمائشوں پر فرمائشیں ہونے لگیں۔کوئی کہتا ذرا اپنے رب کا نسب نامہ تو بیان فرمایئے ،کوئی پوچھتا آپ کا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے۔لوہے کا،مٹی کا،تانبہ کا،سونے کا،لکڑی کا، پتھر کا؟ کوئی بے تابی سے پوچھ رہا تھا کہ آپ کے رب کی خوراک کیا ہے؟ایسے گمراہی اور شرک کے ماحول میں پیاسی انسانیت کے لئے اسلام ایک چشمۂ رحمت بن کر آیا۔بطحا کی سنسان وادی سے اٹھنے والی یہ میٹھی اور مدھر آواز سارے جہان کی غوغا آرائیوں پر غالب آ گئی۔دین اسلام کا آفتاب کیا طلوع ہوا مذہب باطلہ کے چراغ بے نور ہو گئے۔اللہ کی مخلوق آدم کی اولاد کو اپنے خالق ومالک کا صحیح عرفان نصیب ہوگیا۔حکم خدا ہوا اے میرے پیغمبر! ان پوچھنے والوں کو بتادیجئے کہ جس معبود کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں جس کی حریم ناز ک میں تمہیں لے

جانا چاہتا ہوں وہ صرف اور صرف اللہ ہے جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں، نہ کمالات میں، اس اعلان کے ہوتے ہی سونے چاندی، لوہے، تانبے، کنکر پتھر کے بنے ہوئے باطل معبود جو صدیوں سے خدائی مسند پر بڑے کر دفر سے براجمان تھے سب کے سب منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔

اگر ایک طرف عرب کے مشرکین بتوں کو خدا کی ذات میں شریک مانتے تھے تو دوسری طرف اس گمراہی میں وہ قومیں بھی بری طرح مبتلا تھیں جو انبیاء و رسل پر ایمان لے آئی تھیں اور جن کے پاس آسمانی کتابیں موجود تھیں۔ان کے معابد میں مقدس کنواری مریم کے بت رکھے ہوئے تھے۔اور دین مسیح نے مسخ ہونے کے بعد بت پرستی کی شکل اختیار کر لی تھی اور آج بھی اسی پوزیشن میں ہے۔یہود و نصاریٰ حضرت عذیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا فرزند کہتے تھے اور آج بھی کہہ رہے ہیں۔اسلام نے آ کر ان تمام باطل عقائد اور نظریات کا تردید کیا اور فرمایا نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ ہی وہ کسی کا بیٹا ہے۔وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں۔نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔وہ بیوی بچے اولاد سے پاک ہے۔وہ واجب الوجود ہے۔اس کی ذات قدیم اور غیر محدود ہے۔

اسلام کے سوا تمام مذاہب میں مشرکانہ عقائد کی آمیزش

اگر مذاہب عالم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو تثلیث کا مشرکانہ عقیدہ تمام مذاہب میں مشترک نظر آتا ہے۔ہندوستان کی تاریخ میں ''تری مورتی'' یعنی برھما، وشنو اور شیو کی عبادت کی جاتی ہے جن کے لئے ہندوان تین حروف (ا۔و۔م) (ॐ) کو بطور رمز استعمال کرتے ہیں۔چین میں ''تاوؤ'' ایک ایسا خدا ہے جس کے تین شرکاء ہیں۔فارس میں بھی تین خدا کی عبادت ہوتی تھی۔خود یورپ میں عیسائیت آنے سے پہلے تثلیث کا

عقیدہ رائج تھا اور آج بھی رائج ہے۔عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ آپ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔قرآن ان کے عقائد کی واضح تردید فرمارہا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ ان کا نہ تو کوئی باپ تھا نہ کوئی ماں۔اگر ان کو تم انسان مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں خدا یا خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے؟ اللہ کی قدرت کاملہ کے سامنے آدم اور عیسیٰ کی پیدائش یکساں ہے۔وہ بھی اس کے قدرت کی جلوہ گری ہے اور یہ بھی اس کی مشیت کی کرشمہ نمائی ہے۔نہ خدا کا دم بھرنے کا آدم کو حق پہنچتا ہے اور نہ ہی عیسیٰ کو۔سب اس کے بندے ہونے پر شکر کناں ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوایا اور اپنے نبی ہونے پر شکر کناں ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوایا اور اپنے نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا۔چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود فرماتے ہیں۔

''بے شک تم نے مجھے مردوں کو زندہ کرتے،اندھوں کو بینا کرتے اور لا علاج مریضوں کو تندرست کرتے دیکھا ہے لیکن یاد رکھو کہ میں خدا نہیں ہوں بلکہ اس کا بندہ ہوں جو میرا پروردگار ہے اور تمہارا بھی،وہی عبادت کے لائق ہے اس لئے تم سب صرف اور صرف اسی ایک کی عبادت کرو۔وہی رب العالمین ہے،وہ وحدہٗ لاشریک ہے اسی کی عبادت کرنا،یہی صراط مستقیم ہے اور جو کوئی اس شاہراہ رشد وہدایت سے ایک سر مو منحرف ہوگا وہ گمراہ ہوگا۔اس پر جنت حرام ہے۔

عیسائیوں کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر نہیں

دین عیسائیت کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب وغریب اور انوکھی معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس دین کے بنیادی عقائد اب وہ نہیں ہیں جو اس

دین کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتائے ہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد اب وہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں ۔اور یہ کونسلیں اس امر کی مجاز وہم معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے ایک سرموانحراف کریں تو وہ انھیں مرتد قرار دے کر اس کو دین سے خارج کر دیں۔ان کونسلوں کی داستان بڑی عجیب وغریب ہے۔ مجھے یہاں آپ سے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ ہمیں یسوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا ہے اور انجیل مقدس کی آیات بھی مسیح کی ابنیت (بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوت ثابت کررہی ہیں تو پھر عیسائیوں میں یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہوا۔اور عیسائی گمراہ کیسے ہوئے؟

اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے حقیقت حال پیش کرتا ہوں۔

عیسائی کیوں کر گمراہ ہو گئے

انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً تین سو سال (۳۰۰) بعد قسطنطین نام کا ایک یونانی بادشاہ گزرا ہے جس نے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ قسطنطین جب رومن امپائر کا فرمانروا بنا تو اس نے ۳۱۳ء میں اپنے فرمان شاہی کے ذریعے مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور اپنی سیاسی مقاصد کی حصول کے لئے عیسائیوں پر عنایات وکرم کی بارش شروع کردی تاکہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کرکے اپنی حکومت کو مستحکم کرے۔یہ بات سمجھنے کے لئے اس پہلو کو بھی سمجھنا لازمی ہے کہ قسطنطین کی حمایت وسرپرستی میں جب عیسائیوں کو امن وسکون نصیب ہوا تو ان میں نظریاتی جنگ شروع ہوگئی جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اور ان کی سیاسی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔اس

طرح قسطنطین نے جس خیال سے ان کی حمایت شروع کی تھی وہ خواب پریشاں ثابت ہونے لگا چنانچہ اس نے اس داخلی انتشار کو دور کرنے کے لئے نیقیا میں تمام عیسائی علماء کی کونسل طلب کی جس کا اجلاس ۲۰/مئی سے ۲۵/جولائی ۳۲۳ء تک جاری رہا جس میں دو ہزار پادریوں نے شرکت کی۔ اور سب سے اہم مسئلہ اس کونسل میں جو زیر بحث آیا وہ یہ تھا کہ یسوع مسیح کا تعلق خدا سے کس نوعیت کا ہے؟ بالآخر اس منعقدہ کونسل میں سرکاری طور پر یسوع مسیح کی الوہیت کو باقاعدہ تسلیم کرلیا گیا جسے باضابطہ مرتب کرنے کے بعد نیقیا کورڈ (NICENECREED) کا نام دیا گیا۔ اس منظور شدہ قرارداد پر تنازع کچھ عرصہ تک جاری ہا لیکن آخر میں مشرق ومغرب کے عیسائیوں نے اسی عقیدے کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔

بیٹے کی الوہیت کے ساتھ روح القدس (حضرت جبریل) کی الوہیت بھی تسلیم کرلی گئی۔ نیقیا کی عقیدے کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جز لا ینفك (اٹوٹ حصہ) بنا دیا۔ ۳۳۷ء میں قسطنطین نے یہودیت کو چھوڑ کر عیسائی مذہب قبول کرلیا اور اس لئے قبول کیا تا کہ دین مسیح میں فتنہ پردازی کرے۔ چنانچہ عیسائیت قبول کرتے ہی اس نے شاہی خزانوں کے منھ کھول دیئے ۔کلیسا کے پادریوں کو رشوت کے طور پر بڑے بڑے رقوم پیش کئے اور انھوں نے اس کے حکم سے شریعت عیسوی کے نئے نئے قانون وضع کئے ۔یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو طبیعت میں بدل دیا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ۳۲۳ء میں منعقد ہونے والی نیقیا کونسل کا داعی اور بانی قسطنطین ہی تھا۔ اس کے تمام اخراجات اس نے خود اپنی طرف سے ادا کئے وراس کے کئی اجلاس میں شرکت بھی کی۔ نیز یسوع مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اس کونسل میں منظور ہوا اس نے ان منظور شدہ فیصلوں کو اپنی شاہی اختیارات سے نافذ

کیااور جس نے بھی ماننے سے انکار کیااس کوسخت ترین سزائیں دیں۔

(انسائیکلوپیڈیا، جلد ۶، ص ۵۸۸)

اس طویل تاریخی اقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ تثلیث، ابنیت کے عقائد خدااوراس کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بتائے ہوئے عقائد نہیں ہیں۔ بلکہ سینکڑوں سال بعد انعقاد پزیر ہونے والی کونسلوں نے انھیں گڑھا اور عیسائیوں کے لئے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔

اب آپ کو معلوم ہوگیا کہ قرآن کا ان کے مشرکانہ عقائد کے خلاف محاذ قائم کرنا حق بجانب ہے۔ میں ان تمام قوموں کو جو شرک میں ملوث ہیں دعوت فکر دیتا ہوں کہ وہ قرآن پر ایمان لے آئیں اور صدق دل سے اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کرلیں۔

قرآن نے بارہا علمائے اہل کتاب (کلیسا کے پادری صاحبان) سے متعلق جو یہ اعلان فرمادیا ہے کہ وہ (یہود ونصاریٰ) اپنی طرف سے باتیں گڑھتے ہیں اور پھر اسے خدا کی طرف اور اس کے پیغمبر کی جانب منسوب کردیتے ہیں اس کا کتنا واضح ثبوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کردیا۔ مزید اب کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔

ان تمام تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اب آپ خدارا بتائیے کیا اس دین کو دین الٰہی کہنا بجاہے جس کی بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض ومقاصد کی حصول کے لئے صدہا سال بعد خود وضع کئے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے ارشادات سے واضح انحراف کیا گیا ہو۔

دین عیسائیت کو آپ نے اس کی اپنی تاریخ کے آئینے میں دیکھ لیا۔ اس کے بعد اب مزید کسی تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ اب آپ قرآن پاک کو غور سے پڑھیں۔ آفتاب حقانیت کی بے تابانیاں آپ کے چشم خرد کو روشن کردیں گی۔ اے لوگو! قرآن تمہیں

ہدایت کی روشنی دے رہا ہے۔اس کی روشنی میں اپنے زندگی کے منازل طے کرو۔ قرآن کا فرمان ہے کہ اولاد کا ہونا تمہارے لئے تقویت اور عزت ووقار کا باعث ہے کیوں کہ تم کمزور ہو،ضعیف ہو، دشمنوں کا تنہا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو،تمہاری اولاد ہوگی تو تم طاقتور بن جاؤ گے، نیز تم فنا ہونے والے ہو۔تمہیں اولاد کی اس لئے بھی ضرورت ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارا نام تمہاری اولاد کے ذریعے باقی رہے لیکن اللہ تعالیٰ جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اس کے لئے اولاد کی ضرورت کا تصور بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے اس کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھنا اس کی شان کبریائی سے جہالت کی دلیل ہے۔

انسان اپنے جرائم کا تنہا ذمہ دار ہے

عیسائیوں کا عقیدہ ہے اور وہ اس عقیدے کے تحت بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کے گناہوں کے عوض اللہ نے اپنے فرزند (**نعوذ باللہ من ذالك**) عیسیٰ مسیح کو سولی دے دیا لہٰذا اب ان سے ان کے گناہوں کے بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی۔آپ خود ہی فرمایئے کہ اگر ان دونوں نظریوں کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو انسان کس قعرِ مُذلّت میں گر جاتا ہے؟ پہلی صورت میں تو انسان اندھی تقلید کا خوگر ہوکر عقل وفہم اور غور وفکر کی خداداد صلاحیتوں سے محروم ہوجاتا ہے اور دوسری صورت میں اس کے دل سے احساس ذمہ داری مٹ جاتا ہے اور اپنی نجات کو ہر حال میں یقینی تصور کرتے ہوئے وہ بڑے اطمینان سے ہر قسم کی غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا ضمیر بھی اسے ملامت نہیں کرتا۔ بلا شبہ ایسا انسان انسانی معاشرہ اور سوسائٹی کے لئے ایک خونخوار بھیڑیئے سے بھی زیادہ اذیت رساں بن جاتا ہے۔

مذہب اسلام چونکہ ایک دین فطرت ہے اس لئے وہ انسانوں کی تربیت میں اس

قسم کی لوچ کو برداشت نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے صاف صاف بتا دیا کہ جس نے راہ ہدایت اختیار کی اس نے اپنی بہتری کا سامان مہیا کیا اور جس نے گمراہی کو پسند کیا اس کی سزا اسے ضرور بھگتنی پڑے گی۔ اس لئے حق و باطل کو پہچاننے کے لئے اپنی عقل وفہم کو استعمال کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اندھی تقلید کے باعث کسی کی پیروی کرتے رہو۔ اس حال میں نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ ایسا بھی نہیں ہوسکتا کہ جہان بھر کے گناہ تم کرتے پھرو اور سارا بوجھ لا د دیا جائے تنہا ایک عیسیٰ مسیح کی ذات پر۔ بیٹے کے عوض میں باپ کو سزا نہیں دی جائے گی اور نہ ہی باپ کے عوض میں بیٹے کو سزا دی جائے گی بلکہ ہر شخص اپنے کرتوتوں کا تنہا ذمہ دار ہے۔

شرک کے اقسام: شرک کے متعلق مفسر ابوعبد اللہ انصاری القرطبی نے اپنی تفسیر الجامع القرآن میں بہترین بحث کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ شرک کے تین درجے ہیں اور تینوں حرام ہیں۔

(١) اللہ کے علاوہ کسی انسان، جنات، شجر و حجر، شمس وقمر کو اللہ یقین کرنا، یہی شرک عظیم ہے اور عہد جاہلیت کے مشرکین یہی شرک کیا کرتے تھے جو آج کے مشرکین کر رہے ہیں اور جب انھیں یہ بتایا جاتا کہ اللہ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں تو کہتے کہ کیا آپ کے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں گے۔

(٢) اور شرک کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ مستقل طور پر اور بالذات اللہ کے مشیت کے بغیر کوئی کام کرسکتا ہے اگر چہ اس شخص کو خدا نہ مانتا ہو۔

(٣) اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا جیسے کی دیو مالائی عقائد رکھنے والے کرتے ہیں۔ یہ شرک کے تینوں قسمیں حرام ہیں۔ جو شخص اس کا ارتکاب کرے وہ اپنے آپ پر بہت بڑا ظلم کر رہا ہے، اس کی کبھی بھی بخشش نہیں ہو گی۔

شرک خدا کی ذات سے ایک طرح کی بغاوت ہے

اب سوال یہ ہے کہ شرک کیوں ظلم عظیم ہے اور کیوں اس جرم کی بخشش نہیں تو جواباً صرف اتنا عرض ہے کہ شرک درحقیقت اس قادر مطلق اور احکم الحاکمین کے خلاف ایک طرح کی بغاوت ہے۔

اس کی بادشاہی وفرماں روائی میں کسی کو شریک کرنا اس کو حاکم اعلیٰ تسلیم کرنے کے منافی ہے۔ دیکھئے دنیا کی حکومتیں سنگین سے سنگین جرم کرنے والے کے لئے عفو ودرگزر کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں لیکن علم بغاوت بلند کرنے والے کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔اس کی گردن ماردی جاتی ہے، اگر کسی دنیاوی حکمراں کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار اتنا بڑا جرم ہے تو اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ وہ حقیقی بادشاہ جو مالک بھی ہے اور خالق بھی میرا بھی اور تیرا بھی ، بلندی کا بھی اور پستی کا بھی اس کی اُلوہیت اور وحدانیت کا جو انکار کرے یا اس جیسا کسی اور کو سمجھے تو اس سے بڑا جرم کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے گا مگر وہ شخص جس نے کفر وشرک کیا اور مشرک ہو کے مرا تو اس کے گناہ کبھی بھی معاف نہیں کئے جائیں گے۔شرک کرنے والوں پر جنت حرام ہے اور اگر وہ شرک سے تائب ہوجائے اور توحید کو دل وجان سے قبول کرلے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

آج کفار ومشرکین یہ سوچتے ہیں کہ توبہ کرنے اور ایمان لانے کی ابھی اتنی جلدی کیا ہے، ابھی تو بڑا وقت پڑا ہے۔ ایمان لانا اگر ضروری بھی ہوا تو بڑھاپے میں لے آئیں گے لیکن وہ لوگ کتنے نادان ہیں، انھیں کیا پتہ موت کا پیغام ابھی آجائے اور انھیں یہاں سے عین بہار شباب میں دنیا سے کوچ کرنا پڑے پھر وہ کیا کریں گے؟ اگر

قرآن جیسی مؤثر کتاب اور اسلام جیسا پاکیزہ مذہب پر وہ ایمان نہیں لائے تو پھر اور کون سی ایسی کتاب آئے گی جس کو پڑھ کر وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئیں گے؟

بت پرستی اور اس کے آغاز کی تاریخ

اب یہ معلوم کریں کہ بت پرستی کا آغاز کہاں سے ہوا اور کس طرح ہوا۔اس سلسلے میں علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ بت پرستی کا رواج دو طریقوں سے ہوا۔ پہلا طریقہ تو صائبین نے اختیار کیا۔ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اجرام سماوی (چاند،سورج،ستارے) بھی جاندار اور ذی روح ہیں،ان کا تعلق اس عالم دنیا سے بھی ہے اور اسی تعلق کی بنیاد پر یہاں سارے تغیرات، ولادت،موت،صحت، بیماری، فتح شکست،عزت وذلت وغیرہ وغیرہ رو پذیر ہوتے ہیں۔جب ان کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہوگیا تو وہ ان کی عبادت کی طرف راغب ہوئے لیکن یہ اجرام ان کی رسائی سے بالاتر تھے ان میں بیشتر ان کے آنکھوں سے اوجھل تھے اس لئے انھوں نے ان کے ناموں پر بت بنا کر سامنے رکھ لئے تا کہ ان کے تصور کی وہاں تک رسائی ہو سکے۔

چنانچہ اس طرح بت معرض وجود میں آئے اور پھر ان کی عبادت شروع ہوگئی۔کہا جاتا ہے کہ مذہب باطلہ میں سب سے قدیم مذہب انھیں صائبین کا ہے۔مفسرین کا کہنا ہے کہ وداع،سواع، یغوث، یعوق اور نسر،ممکن ہے یہ پانچ بت جن کی پرستش حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہوئی تھی،بعض ستاروں کے نام ہوں اور ان کے ناموں پر یہ اصنام تراشے گئے ہوں۔

اصنام پرستی کی دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ان میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے جو کہانت،شجاعت،طاقت،علم یا اخلاق حسنہ میں عام لوگوں کی سطح سے بہت اونچے ہوتے تو عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی کہ ان میں روح الٰہی نفوذ کئے

ہوئے ہے اس لئے ان سے مافوق البشر اعمال صادر ہوتے ہیں۔ایسے لوگوں کے مرنے کے بعدان کے ماننے والے ان کے مجسمے تراش لیتے اوران کی عبادت کرنے لگتے۔کتب تفاسیر میں ایسی روایات بھی مذکور ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے جن میں وداع اورسواع یہ دونوں پارسااور بہت عبادت گزار تھے۔جب یہ انتقال کر گئے تو لوگوں پران کی جدائی بہت شاق گزری۔انھیں ان کی موت کا از حد صدمہ پہنچا کیوں کہ یہ لوگ انھیں اللہ کی یاداور نیکی کی طرف دعوت دیتے تھے اورخود بھی سراپا نیک و پاکباز تھے۔ان کے نورانی چہروں کودیکھ کراوران کی صحبت میں بیٹھ کر انھیں خدا کی یادآتی تھی۔

چنانچہ کسی کے مشورہ سے (بعض نے لکھا ہے کہ مشورہ دینے والا ابلیس تھا اور انسانی شکل میں ان کے پاس آیا تھا)انھوں نے ان کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کی شبیہوں کودیکھ کردلوں کوسکون ملے اوراللہ کی یادکا جذبہ کمزورنہ ہونے پائے،کئی نسلیں تو اسی حالت پر گزریں لیکن جب کافی عرصہ گزرگیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصلی مقصد کو بھلادیااورشیاطین،جن وانس کے بہکانے پرانھیں اپنا معبودسمجھ لیااوران کی عبادت شروع کردی۔حضرت نوح علیہ السلام نے انھیں بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا قہروغضب سیلاب اورطوفان کی شکل میں نمودار ہوااورانھیں اوران کے بتوں کوخس وخاشاک کی طرح بہالے گیا۔اِس طرح طوفان سے صرف وہی لوگ بچے جوآپ کے سفینے میں سوار تھے اور جوتوحید پر کامل ایمان رکھتے تھے۔پھر جب کافی عرصہ گزرگیا تو سابقہ گمراہیاں دوبارہ عود کرنے لگیں حتیٰ کہ بت پرستی کی رسم بدبھی شروع ہوگئی۔بعد میں آنے ولی نسلوں نے اپنے آباواجداد سے یہ سن رکھا تھا کہ نوح علیہ السلام کے قوم کے پانچ بڑے دیوتا تھے جن کے یہ نام تھے۔ان لوگوں نے اپنے جذبۂ مذاہب پرستی کی تسکین کے لئے نئے بت تراشے اور

انھیں ان پہلے دیوتاؤں کے نام سے موسوم کردیا۔

عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمرو بن لحی بن قمعہ تھا۔ یہ ان لوگوں سے متاثر ہوا۔ اس نے تین سو چالیس سال کی طویل عمر پائی۔ کعبہ کی تولیت پانچ سو سال تک اس کے اور اس کے اولاد کے پاس رہی اور اس نے بت پرستی کو رواج دینے میں اپنی پوری کوششیں صرف کردیں۔ کعبۃ اللہ جس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خدائے واحد کے عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا اسی بدبخت کے زمانے میں بت خانہ بنا۔ عرب کے مختلف قبائل کے ہاں جو بت تھے ان میں جن بتوں کو سب سے زیادہ شہرت و ناموری حاصل تھی وہ پانچ بت یہی تھے۔ جن کے نام آپ پڑھ چکے۔ ان سب کی شکلیں انسانی نہ تھیں بلکہ مختلف تھیں۔ وداع کا بت قوی ہیکل مرد کی شکل کا تھا۔ سواع ایک عورت کا مجسمہ تھا، یغوث کی شکل شیر کی تھی، یعوق گھوڑے کا ہم شکل تھا اور نسر عقاب کی صورت پر تھا۔ اور سب مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے تھے، یہ ہے بت پرستی کے آغاز کی تاریخ۔

عقیدۂ توحید چونکہ ایمان کی بنیاد ہے اس لئے قرآن نے مختلف انداز میں سب سے زیادہ توحید کو بیان کیا ہے اور شرک کی مذمت کی ہے۔ اگر شرک کا بطلان اور دلائل توحید کو قلم بند نہ کروں تو یہ بحث نامکمل رہے گا۔ اس لئے قرآن کی زبان میں شرک کا بطلان اور دلائل توحید قارئین کے لئے پیش خدمت ہے۔

جہنم کا ایندھن بت اور بت پرست

عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرے گا تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں جلے گا۔ اس کی کبھی بھی بخشش نہیں ہوگی۔ مشرکین عرب اللہ کی عبادت

چھوڑ کر اپنے بتوں اور مصنوعی خداؤں کی پرستش کرتے اور اگر انھیں ٹوکا جاتا کہ تم یہ کیا حماقت کرر ہے ہو جو ہر وقت ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہو۔کیا انھوں نے تمہیں پیدا کیا ہے،کیا اس عالم رنگ وبو کے وہ خالق ہیں؟ زمین کا فرش انھوں نے بچھایا ہے؟ آسمان کا نیلگو شامیانہ اور اس میں آویزاں اَن گنت ضیاء بار قندیلیں ان کی قدرت کا کرشمہ ہیں، جواب دیتے نہیں،تو پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو؟تو کہتے ہیں کہ ان کی عبادت سے ہمیں قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔یہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیتے ہیں۔اے میرے پیغمبر! یہ مشرکین چاند کو،سورج کو،دریا اور پہاڑ کو،سانپ اور بچھوؤں کو اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ یہ اپنے شرم گاہ (لنگ) کو معبود بنائے ہوئے ہیں۔اس کا فیصلہ قیامت کے دن اللہ ہی فرمائے گا۔اس وقت انھیں اپنی گمراہی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔آج وہ دانستہ طور پر کفر وشرک سے چمٹے ہوئے ہیں لیکن اس دن ان کے کفر کا سارا بھرم کھل جائے گا اور وہ خود اپنی زبان سے اپنے آپ کو بری الذمہ اور بے گناہ ثابت کرنے کے لئے سارا الزام اپنے بتوں پر لگائیں گے اور کہیں گے کہ اے رب العالمین انھوں نے ہی ہم کو کہا تھا کہ ہماری بندگی اور عبادت کرو۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوت گویائی عطا کرے گا اور وہ اپنے پجاریوں کی تردید کریں گے اور کہیں گے کہ اے پروردگار! انھوں نے خود ہی ہم کو ہاتھوں سے گڑھا ہے اور خود ہمیں تیرا شریک بنایا خود ہی ہماری عبادت اور پوجا پاٹ میں لگ گئے، ہم نے انھیں کب کہا تھا کہ وہ تیری عبادت کو چھوڑ کر ہماری پوجا شروع کر دیں۔

اے عزیز! اگر بتوں کو زبان ہوتی تو وہ ہر آن ان بت پرستوں پر لعنتیں بھیجتے رہتے جنھوں نے پتھر اور لکڑی کے بتوں کو اپنا معبود بنالیا ہے۔سبع سنابل شریف میں ہے کہ جب خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اجمیر پہنچے تو آپ ایک دن ایسے مقام پر تشریف لے گئے جہاں پتھر کے دو بت نصب تھے۔ایک مرد کی صورت اور دوسری

عورت کے شکل میں۔اسی وقت راجہ خواجہ کو دیکھنے کے لئے حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا تو کون ہے؟ کہا کہ میں اس ملک کا راجہ ہوں۔فرمایا کیوں آیا ہے؟ جواب دیا قدم بوسی کے لئے۔ارشاد فرمایا کہ اے راجہ تم لوگ ان بتوں کو معبود بنا کر پوجتے ہو۔کیا ان کی وجہ سے کوئی مشکل بھی ٹلی یا انھوں نے تمہاری کچھ مدد کی؟ راجہ نے جواب دیا کہ تمام چیزیں اسی کے نور کی جلوہ گاہ ہیں اور ہر جلوہ گاہ میں اس کا ظہور ہے اس لئے ہم اس جلوہ گاہ (بت) کو وسیلہ بنا کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ اگر پتھر کے مظہر میں خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہو تو پتھر کو مخلوق کی صورت کیوں تراشتے ہو۔اور پھر پتھر ہی کیا تخصیص ہے، کائنات کے ذرے ذرے میں جلوۂ خدا کا ظہور ہے۔انسان اس جلوے کا مظہر بن کر آیا ہے، اگر وہ کنکروں پتھروں کو پوجے تو وہ اپنی ہستی سے غافل ہے، خود کو برباد کر رہا ہے۔اے غافل! تجھے تو فرشتوں نے سجدہ کیا ہے تو ان بتوں کو کیوں سجدہ کرتا ہے؟ راجہ یہ سن کر لاجواب ہو گیا۔خواجہ نے اس بت کو جو مرد کی شکل میں تھا بلایا اور فرمایا اے شادی غلمٹے۔اس نے کہا ''حاضر ہوں'' ارشاد ہوا ''یہاں آ'' وہ چلا آیا۔پھر آپ نے اس بت سے جو عورت کی شکل میں تھا فرمایا اے **لکھمنی**! اس نے جواب دیا ''حاضر ہوں'' ارشاد ہوا ''ادھر آ'' وہ بھی آ گئی تب آپ نے دونوں سے فرمایا کہ یہ کافر تمہیں اخلاص ومحبت سے پوجتے ہیں اور محبت ولگاوٹ کی گرہ تمہارے ساتھ باندھتے ہیں تم ان سے خوش ہو یا نہیں؟

انھوں نے جواب دیا۔اے خواجہ! اگر پتھروں کی زبان ہوتی تو وہ پوجنے والوں پر لعنت وملامت کی خاک اڑاتے اور اگر بھاگ سکتے تو مندروں سے نکل کر جنگل بیابان کی طرف بھاگ جاتے۔اے خواجہ جو لوگ ہمیں پوجتے ہیں وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں اور ظالم ایک دن ضرور اپنے ظلم کا بدلہ پائیں گے۔اے خواجہ وہ جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جہنم کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تو وہ

آدمی ہماری عبادت کرنے والے ہیں اور وہ پتھر ہم ہی ہیں کہ ان کی وجہ سے ہم جہنم کا ایندھن بنے ہیں۔اے خواجہ بعض پتھروں پر اسی حسرت کی وجہ سے ہمیشہ رونا اور چلانا طاری رہتا ہے اور ان کے اندر سے پانی کے چشمے بہتے رہتے ہیں اور بعض پتھروں کے جگر اسی ندامت سے خون ہو چکے ہیں کہ اس سے ہیرے جواہرات بنتے ہیں اور بعض پشیمانی کے بدولت آگ میں پھک چکے ہیں کہ ان کے زخموں سے لوہا برآمد ہوتا ہے اور بعض پگھل کر نمک ہو چکے ہیں۔

اے عزیز! جب جمادات اپنے پجاریوں سے اس قدر برہم ہیں تو غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے کیونکر برہم نہ ہوگا جو اس کی ذات کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔

اگر کئی خدا ہوتے تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا

اگر زمین و آسمان میں خدائے واحد کو چھوڑ کر کئی اور خدا ہوتے تو نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا۔اللہ کی توحید ایک نا قابل انکار دلیل ہے جسے ایک سادہ لوح دیہاتی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے اور اپنے دل کو نورِ یقین سے منور کر سکتا ہے۔سیدھی سی بات ہے کہ اگر ملک کے دو وزیر اعظم، دو فرماں روا، یا دو بادشاہ ہوں جن کے اختیارات مساوی ہوں تو اس ملک میں فتنہ فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے اور اس کی ساری رونقیں خاکِ سیاہ بن کر رہ جائیں گے۔سوچو اگر ایک ہی لشکر کے دو جنرل ہوں تو وہ فوج کسی میدان میں جم کر نہیں لڑ سکے گی۔یہ ایسی بات ہے جسے ہر پڑھا لکھا جانتا ہے اور صرف پڑھا لکھا ہی نہیں بلکہ ایک اَن پڑھ چرواہا بھی جس کی عمر سیاست کے ہنگاموں سے دور جنگلوں میں بکریاں چراتے گزری وہ بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔تو اب ذرا سوچئے کہ اگر ایک سے زائد خدا مان لئے جائیں تو ان کی باہمی

حیثیت کیا ہے؟ اگر سارے ناقص ہیں اور کائنات کے پیدا کرنے میں ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہیں تو ان میں ایک بھی اس قابل نہ ہوا کہ اسے خدا کہا جائے کیوں کہ جو خود محتاج ہو وہ کسی کی حاجت روائی کیا کرے گا اور اگر ان میں ایک کامل قدرت کا مالک ہو اور دوسرے اس کے امداد کے محتاج ہوں تو جو کامل ہے اسے کیا پڑی ہے کہ وہ دوسروں کو نظام عالم کی تخلیق میں شریک کرتا پھرے اور اگر سب یکساں طاقت، قدرت، اختیار اور ارادہ کے مالک ہیں تو ان میں باہمی اختلاف کا پیدا ہونا لازم ہے اور باہمی اختلاف کی وجہ سے جب ایک خدا دوسرے خدا سے ٹکرائے گا تو کائنات کی دھجیاں اڑ جائیں گی اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ سب نے آپس میں مصالحت اور سمجھوتہ کرلیا ہے اور باہمی اتفاق سے سارا نظام عالم چل رہا ہے تو کیا حوادث عالم کے رو پذیر ہونے میں سب کی قوت صرف ہورہی ہے یا ایک کی؟ اگر ایک کی صرف ہورہی ہے تو دوسرے بیکار ہوں گے اور یہ بھی اچھے خدا ہوئے کہ طاقت تو ہے لیکن بخیل کی دولت کی طرح بے کار و بے مصرف۔ اور اگر سب کے قوت وارادے سے کام انجام پارہا ہے تو پھر دریافت طلب امر یہ ہوگا کہ سب علیٰحدہ علیٰحدہ اس کام کو کرسکتے ہیں یا نہیں۔

اگر نہیں کرسکتے تو عاجز و مجبور ہوئے جو شان خداوندی کے خلاف ہے۔ خدا تو وہ ہے جو ہر شئے پر قادر ہے اور جس کی ذات میں کوئی شریک نہیں، جو تنہا سارے سنسار کا اکیلا خدا ہے، جو زمین و مکان جسم اور جسمانیت سے پاک ہے۔ اپنے موجود ہونے میں کسی کا محتاج نہ ہو اور اگر وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سنگ تراش کا محتاج ہو تو ایسی چیز کو خدا کہنا یا خدا کے برابر ٹھہرانا یا خدا کی ذات میں شریک کرنا عقل و دانش کی سب سے بڑی توہین ہے۔ خدا کا یہ مفہوم اگر ذہن نشیں ہوجائے تو عقل و فہم کی دنیا میں شرک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اگر ایک بدن میں ۲/روح اور ایک آسمان میں ۲/آفتاب

نہیں سما سکتا تو اس جہان رنگ و بو میں اللہ وحدہٗ کے علاوہ اور کوئی دوسرا خدا نہیں سما سکتا۔

گمراہی کا ایک اور راستہ

انسان بسا اوقات گمراہی اختیار کرتا ہے اور اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی میں دن رات سرگرم رہتا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی مال و دولت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی قوت، اقتدار اور اختیار کی سرحدیں پھیلتی ہی چلی جاتی ہیں اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہی صحیح راستہ ہے۔ جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گمراہی کے آخری کناروں تک جا پہنچتا ہے اور پھر جہنم اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ کفار و مشرکین کا اپنے کفر پر اڑے رہنا اس لئے نہیں کہ ان کے سامنے توحید کی کوئی روشن دلیل نہیں پیش کی گئی۔ اللہ کی توحید اور کبریائی کی روشن دلیلیں تو زمین و آسمان میں بھری پڑی ہیں اور یہ ان دلیلوں کو دیکھتے بھی ہیں لیکن دانستہ ان سے اعراض کرتے ہیں اور جو شخص جان بوجھ کر اپنی آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لے اسے راہ ہدایت کبھی نہیں ملتی اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کس نے پیدا کئے ہیں تو کہتے ہیں اللہ نے۔ تمہارا خالق و مالک کون ہے؟ تو کہتے ہیں اللہ، بارش کون برساتا ہے، پودے کون اُگاتا ہے تو کہتے ہیں اللہ لیکن اس کے باوجود وہ بتوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں، وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام کا ایک مجسمہ بناتے ہیں اور پھر اسی کی 'جے' بولتے ہیں، حالانکہ جس خدائے واحد نے ان کو پیدا کیا ہے اسی نے ان کو بھی پیدا کیا ہے جس کو وہ پوج رہے ہیں۔ کتنی الٹی کھوپڑی کے ہیں یہ لوگ۔

اللہ وہ ہے جس نے لفظ کن سے ساری کائنات پیدا کیا جس نے تمہاری تسکین قلب اور راحت و آرام کے لئے تمہاری جنس سے صنف نازک کی تخلیق فرمائی اور تمہارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ استوار کیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہمیشہ اپنے مولائے کریم کے حضور میں سر نیاز خم کئے رہتے اور اس کی عبادت و ریاضت میں سرشار رہتے لیکن

تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تمہیں امید لگتی ہے توتم دونوں میاں بیوی التجائیں کرتے ہو کہ اے ہمارے رب! اگر تو نے ہمیں صحیح اور تندرست فرزند عطا کیا تو ہم عمر بھر تیرے شکرگزار رہیں گے لیکن جب وہ کرم فرماتا ہے اور تمہاری شاخ آرزو پر امیدوں کا پھول کھلتا ہے اور تمہاری اداس گود ایک خوبصورت بچے سے آباد ہوجاتی ہے توتم جھٹ اس دینے والے کو بھول جاتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ تو ہمارے عمل مباشرت کا طبعی نتیجہ ہے۔ یا یہ فلاں ستارے کی تاثیر ہے یا یہ ہمیں فلاں دیوتا نے بخشا ہے۔ ذرا سوچو تو سہی! یہ تمہاری کتنی احسان فراموشی اور حق ناشناسی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم خدائے واحد کے احسان وکرم کا ہروقت اعتراف کرتے۔ اس کا شکر ادا کرتے لیکن تمہاری کم فہمی کا کیا کہنا کہ تم نے خدائے واحد کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک سمجھ لیا ہے۔

خدا سے بدعہدی: زندگی کے افق پر جب مصیبتوں کے مہیب وبال گھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ جب غم واندوہ کا ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ جب سارے مصنوعی سہارے ٹوٹ جاتے ہیں۔ جب تمام دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ جب دل کی کشتی مایوسی اور ناامیدی کی طوفان میں ہچکولے کھانے لگتی ہے اس وقت انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور ایک ایسی ہستی کا یقین آنے لگتا ہے جس کو ماننے سے آج تک وہ انکار کرتا رہا۔ اب اس کے دامن رحمت میں سر چھپانے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا جس کی اب تک وہ نافرمانی کرتا رہا تھا اس وقت انسان تمام معبودانِ باطل سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اس سے گڑگڑا کر اپنی فلاح ونجات کے لئے سوال کرتا ہے اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر ایک دفعہ تو نے مجھے اس گرداب ہلاکت سے بچا لیا تو عمر بھر تیری چوکھٹ سے سر نہیں اٹھاؤں گا۔ اگر ایک مرتبہ تو نے میری بیچارگی پر ترس کھایا تو تادم حیات تیری حمد وثنا کے گیت گاتا رہوں گا لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل خاص سے نوازتا ہے اس کے امیدوں کے ڈوبتے ہوئے سفینے کو

ساحل مراد تک پہنچا دیتا ہے تو وہ پھر کفر وشرک کرنے لگتا ہے۔ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ اس نے کس رحیم وکریم پروردگار کو اس نازک وقت میں پکارا تھا۔ مصیبت کی ان گھڑیوں میں اس نے کیا وعدہ کیا تھا۔

خدا وہی ہے جو تمہیں موت اور زندگی دیتا ہے

امام المفسرین علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک دہریہ نے آپ سے اللہ کے موجود ہونے پر دلیل طلب کی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کیا کرتے ہو۔ اس نے عرض کیا کہ میرا پیشہ جہاز رانی ہے، میں ایک ملاح ہوں۔ آپ نے اس سے اپنے بحری سفر کا کوئی واقعہ سنانے کی فرمائش کی۔ اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ طوفان آیا اور میری کشتی بیچ منجدھار میں ٹوٹ گئی۔ مجھے ایک تختہ مل گیا میں اس کے سہارے سمندر میں تیرنے لگا۔ اچانک تیز آندھی چلنے لگی اور آس و امید کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ آپ نے جھٹ اس سے پوچھا سچ بتاؤ جب تمہاری کشتی ٹوٹ چکی تھی اور تمہارا تختہ بپھری ہوئی موجوں کے رحم وکرم پر تھا، کیا اس وقت تمہارے دل میں کسی برتر ہستی کے حضور میں عجز ونیاز کے جذبات پیدا ہوئے تھے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! آپ نے فرمایا بس وہی ہے تیرا معبود اور خدا جس کے لئے مصیبت کی گھڑی میں تمہارے دل میں نیاز مندی اور عاجزی کے جذبات پیدا ہوئے۔ علامہ القرطبی بڑے نقطے کی بات رقم فرماتے ہیں کہ نفسیات انسانی کی اس تجزیئے سے معلوم ہوا کہ یہ چیز انسانی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ جب مصیبت اور تکلیف کے سائے اسے گھیر لیتے ہیں تو اس کے دل میں اس وقت صرف اور صرف اپنے رب حقیقی کا خیال پیدا ہوتا ہے اور اسی کے دامن رحمت میں پناہ کی امید بندھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مضطرب و پریشاں حال کی التجا قبول فرماتا ہے خواہ وہ

کافر ہی کیوں نہ ہو۔ ہر مصیبت کی گھڑی میں وہ اپنے بندوں کے کام آتا ہے۔

قرآن پاک نے اسی لطیف نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب تم تجارتی سامان سے بھری ہوئی کشتیاں اور جہاز لے جا رہے ہوتے ہو۔ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لئے ہوائی اور بحری سفر کر رہے ہوتے ہو،اس وقت جب خوفناک طوفان امڈ کر آتے ہیں اور گرداب ہلاکت قدم قدم پر منھ کھولے تمہیں ہڑپ کرنا چاہتے ہیں اس وقت تو تم اپنے سارے دیوی دیوتا بھول جاتے ہو اور صرف اللہ کے حضور میں گڑگڑا گڑگڑا کر اپنی نجات وسلامتی کے لئے دعائیں کرنے لگتے ہو۔اگر تمہارے گڑھے ہوئے بتوں میں خدائی قدرت کا کچھ بھی اثر ہوتا تو ان خطرے کی گھڑیوں میں تمہارے دل ان کی طرف مائل ہی رہتے۔ان مشکل لمحوں میں ان کی طرف سے تمہارا منہ موڑ لینا اور ایک خدا کی حضور فریاد کرنا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسانی فطرت میں عقیدۂ توحید کی تخم ریزی کی گئی ہے اور جب خارجی آمیزش ختم ہو جاتی ہے تو عقیدۂ توحید خود بخود بے نقاب ہو جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق اور ایک ضعیفہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چرخہ کاٹنے والی ضعیفہ سے سوال کیا کہ اے ضعیفہ یہ تو بتاؤ کہ خدا موجود ہے کہ نہیں؟ ضعیفہ نے جواب دیا کہ خدا ہر وقت موجود ہے اور اس کے موجود ہونے کی دلیل میرا یہ چرخہ ہے جب تک میں اس کو چلاتی ہوں یہ مسلسل چلتا رہتا ہے اور جب میں اسے چھوڑ دیتی ہوں تو یہ بند ہو جاتا ہے تو جس طرح اس چرخے کو چلانے والا چاہیے اسی طرح زمین وآسمان کے چرخے کو ایک چلانے والا چاہیے اور زمین وآسمان میں چاند،سورج ستارے اپنے اپنے محور پر چل رہے ہیں یقیناً ان سب کا چلانے والا ایک ہی ہے اور وہ اللہ ہے اور اس کے

وحدانیت کی دلیل بھی یہ میرا چرخہ ہے۔دیکھو! جب میں اپنی مرضی سے اس کو چلاتی ہوں تو یہ اچھی طرح ایک طرف چلتا ہے لیکن اگر میرے ساتھ کوئی دوسری بھی چلانے والی ہو تو چرخہ کی رفتار تیز ہوجائے گا اور وہ میری مرضی کے خلاف مخالف سمت پر چلائے گا تو نیتجتاً یا تو چرخہ ٹھہر جائے گا یا ٹوٹ جائے گا۔بس اسی طرح سمجھ لو کہ اگر زمین وآسمان کا چلانے والا ایک کے بجائے دو ہوتے تو آسمانی چرخے کی رفتار تیز ہوکر شب وروز کے نظام میں فرق آتا۔اگر زمین وآسمان میں ایک خدا کے بجائے دو یا دو سے زائد کئی ایک خدا ہوتے تو ایک کہتا میں دن نکالوں گا۔دوسرا کہتا میں رات ہی رکھوں گا۔ایک کہتا میں پانی برساؤں گا تو دوسرا کہتا نہیں میں دھوپ نکالوں گا۔اسی طرح کئی خدا ہونے پر نظام عالم درہم برھم ہوجاتا۔

اگر اب بھی اطمینان نہیں ہوتا ہے تو قرآن پاک کو سمجھ کر پڑھو اس میں تمہیں اس کے قدرت کے بے شمار روشن پہلو دکھائی دیں گے۔ویسے کسی شئے کی حقیقت کو دیکھنے کے لئے آنکھ کی بینائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ایک اندھا انسان اگر سرخ اور سفید کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو وہ معذور ضرور ہے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سرخ اور سفید ہی کا انکار کردے۔

چاندوسورج، زمین وآسمان اس کی قدرت کی جلوہ گری ہیں

سورج اور چاند کو دیکھو یہ کس طرح اپنی معینہ مداروں میں گردش کررہے ہیں۔ مقررہ وقت پر طلوع ہوتے ہیں۔مقررہ راستے سے گزرتے ہوئے غروب ہوتے ہیں۔ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا یہ عالم ہے کہ ایک دن بھی انھوں نے چڑھنے اور ڈوبنے میں تاخیر یا عجلت نہیں کی۔کیا مجال کہ یہ اپنے مقررہ راستے سے بال برابر دائیں بائیں سرک جائیں،کوئی مشرق سے مغرب کی طرف اور کوئی مغرب سے مشرق

کی طرف، کوئی شمال سے جنوب کی طرف اور کوئی جنوب سے شمال کی طرف مائل ہے۔ کسی کی رفتار تیز ہے کسی کی رفتار سست ہے لیکن یہ نہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ ہی راستہ بدلتے ہیں، نہ مقررہ وقت سے پہلے اپنا دورہ مکمل کرتے ہیں اور نہ ہی پیچھے۔

اب آپ خود ہی بتاؤ جس کے حکم سے یہ سب رواں دواں ہیں اس خدا کی قدرت اور وحدانیت میں شک کرنے کی کوئی گنجائش ہے؟ وہ لوگ جو سورج کو دیوتا مانتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں انھیں بھی بتادیا کہ وہ خدا نہیں، دیکھو جس کو تم خدا مان رہے ہو وہ خود ایک فرماں بردار غلام کی طرح اپنے خالق و مالک کے فرمان کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہے اور ہاں! ذرا آسمان کی بلندی کی طرف نظر اٹھا کر تو دیکھو، کیا تم اس کی بلندی کا اندازہ لگا سکتے ہو؟ کیا اس کی وسعت وفراخی کا تمہاری نظر احاطہ کر سکتی ہے؟ کیا اس کو اتنی بلندی پر تھامنے کے لئے کوئی ستون تمہیں دکھائی دے رہا ہے؟ تم ایک چھوٹے سے کمرے کی چھت ڈالنا چاہو تو پہلے دیواریں بناتے ہو پھر شہتیر رکھتے ہو، ان پر درجنوں کڑیاں بچھاتے ہو تب جا کے ایک چھت بنتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ کچھ مدت کے بعد اس میں شگاف پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی تمہیں اپنے فن اور ذہانت پر بڑا ناز ہے۔ ذرا اس کی قدرت کو تو دیکھو جس نے آسمانوں کو ستونوں اور سہاروں کے بغیر کھڑا کر دیا ہے پھر اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اسے بنے ہوئے لاکھوں کروڑوں سال گزر گئے مگر اس میں لچک تک پیدا نہ ہوئی۔ یہ خدائے واحد کی قدرت کی جلوہ گری نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ بتاؤ! زمین کا یہ وسیع وعریض فرش کس نے بچھایا ہے، کیا تمہارے ان بتوں نے؟ جنھیں گڑھے ہوئے ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں جبکہ تمہارے رب نے ان سے پہلے بھی زمین کا فرش بچھا دیا جب نہ تمہارا وجود تھا اور نہ ہی تمہارے ہاتھوں سے گڑھے ہوئے ان جھوٹوں خداؤں کا۔

ذرا پہاڑوں پر بھی تو ایک نظر ڈالو۔ یہ بڑے بڑے پہاڑ اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہیں۔ ذرا دیکھو تو سہی کس طرح خدا نے ان کو بلند کیا اور ان میں معدنیات کے خزانے پیدا کئے، کہیں کوئلہ نکل رہا ہے کہیں سے لوہا، کہیں سے سونا، کہیں سے تانبا کہیں سے کچھ اور کہیں سے کچھ ان پہاڑوں کے سخت پتھروں سے اور سنگین چٹانوں سے پانی کے چشمے جاری کرنا، بنجر زمین سے سبزے اگانا، پھل اور پھولوں کو قسم قسم کا رنگ دینا یقیناً یہ اس کی کبریائی اور قدرت کی روشن نشانی ہے۔

اگر آپ بیک وقت قدرت کی ان تمام نیرنگیوں کا احاطہ اور مطالعہ کرنے سے قاصر ہیں تو ایک قسم کا پھل ہی لے لیجئے۔ ایک ہی زمین ہے۔ ایک ہی موسم ہے اور ایک ہی چشمے کی پانی سے آبپاشی ہوتی رہتی ہے لیکن پھر بھی ان میں یکسانیت نہیں۔ کوئی انتہائی شیریں ہے کوئی بے حد ترش، کسی کا رنگ سبز ہے، کسی کا زرد، کوئی عمدہ ہے کوئی ردی۔ سوچو! ان میں رنگ و بو، ذائقہ اور تاثیر کا یہ تفاوت کہاں سے آیا۔ آپ جب کائنات کی کسی بھی چیز کو تحقیقی نظر سے دیکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو اپنے خالق کا پتہ نہ دیتا ہو۔ اگر ہم سورج کی روشنی کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند کو کوئی چاندنی بخشنے والا ہے۔ اگر ہم پھولوں کو ہنستے ہوئے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کلیوں کو کسی قدرت نے مسکرانا سکھایا ہے۔ اگر ہم جھرنوں کو اور دریاؤں کو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ سمندر کو کسی ذات نے طغیانی عطا فرمائی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ، سمندر کا ایک ایک قطرہ اپنے خالق کی وحدانیت اور اس کی قدرت کا پتہ دے رہا ہے۔

حیوانات و جمادات پر غور کرو

غور کرو! ایک بھینس جو خوراک کھاتی ہے وہ سب اس کے حلق سے نیچے اتر کر معدہ میں چلی جاتی ہے۔ معدہ ایک ہے اور وہ عوامل بھی یکساں ہیں، جو خوراک کو ہضم کر کے مختلف

مرحلوں سے گزارتے ہیں لیکن اس کا کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ خون بن کر جسم کے تمام اعضا میں پہنچ جاتا ہے اور اس تقسیم میں بھی حکمت ملحوظ ہے کہ ہر عضو کو خون کی اتنی ہی مقدار پہنچائی جاتی ہے، جتنی اس کو ضرورت ہوتی ہے لیکن خون اور گوبر کے علاوہ وہیں ایک اور چیز بھی اس خوراک سے بنتی ہے۔ رنگ، بو، ذائقہ میں وہ ان دونوں چیزوں سے مختلف ہوتی ہے، وہ ہے سفید دودھ۔ اب آپ اس کو کوشش سے سونگھو، کیا اس میں گوبر کی بو کا شائبہ بھی ہے؟ غور سے دیکھو، کیا اس میں خون کی ہلکی سی سرخی دکھائی دیتی ہے؟ تو پھر وہ کون ہے جو اس طرح کی چیزوں میں ایسی پاک اور صاف چیز کشید کرتا ہے اور اس کو اتنی لذیذ وخوش ذائقہ بناتا ہے تو جواب ہوگا اللہ صرف اللہ لیکن اے نادان انسان اس نے تیرے لئے قسم قسم کے پھل اگائے، تجھے طرح طرح کی نعمتیں کھانے کو بخشیں مگر تو اتنا ناشکرا ہے کہ اپنے رحیم وکرم پروردگار کو نہیں پہچانتا اور اس کو چھوڑ کر خود ساختہ خداؤں کی پوجا کرتا ہے۔ کاش! تو نے کائنات کی ہر شئے پر غور وفکر کیا ہوتا تو اللہ کی وحدانیت اور اس کے عظمت وکبریائی کے جلوے ہر طرف تجھے نظر آتے مگر تو نے غور ہی نہیں کیا جب کہ عقل اسی لئے دی تھی۔

شہد کی مکھی نمونۂ قدرت

کائنات کی بڑی بڑی چیزیں اپنے جمال وجلال اور اپنی نفع رسانی کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی چیزوں کو حقیر سمجھ کر لائق توجہ خیال نہیں کیا جاتا اور پھر مکھی جیسے چھوٹی چیز کے لئے کس کو فرصت ہے کہ اس کے بارے میں سوچ بچار کرنے بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ میری حکمت اور قدرت کے جلوے صرف پہاڑوں اور سمندروں، مویشیوں اور بلند وبالا درختوں میں ہی نظر نہیں آتے۔ بلکہ ایک چھوٹی سی شہد کی مکھی بھی میری قدرتوں اور حکمتوں کی تجلی گاہ ہے۔ اس کے مختصر سے چھتے میں بھی ہمارے کرشموں کا مینا بازار لگا ہوا ہے۔ ذرا اس

چھتے کوتو دیکھو کس مہارت سے اس کو مسدس (چھ) خانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جن کے تمام گوشے اور سارے زاویئے مساوی ہیں تمہارا کوئی ماہر انجینئر بھی ایسے مسدس خانے نہیں بنا سکتا پھر اس کے مختلف حصوں پر نظر ڈالو کہیں تو نوزائیدہ بچوں کی قیام گاہ ہے۔ کہیں شہد کا ذخیرہ کیا جا رہا ہے، کہیں موم تیار ہو رہا ہے، کہیں خوراک کا گودام ہے، پھر اس حیران کن، نظم ونسق کو دیکھ جس کے ماتحت یہ کثیر التعداد مکھیاں یہاں آباد ہیں، کسی ملک کی تربیت یافتہ فوج بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔ ان میں ایک مکھی سب کی سردار ہے۔ دوسری مکھیاں اس کی فرمانبردار ہیں اور اس کے حکموں کو بجالانے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتیں۔ بعض خوراک لانے کے لئے متعین ہیں، بعض پہریدار ہیں، جو خوراک لانے پر مقرر ہیں وہ اپنے چھتوں سے دور دراز مقام پر اڑ جاتی ہیں، وہاں مختلف پھولوں، کلیوں اور پتوں کا رس دن بھر چوستی رہتی ہیں اور پھر طویل مسافت طے کر کے اپنے چھتے میں واپس آجاتی ہیں، نہ وہ راستہ بھولتی ہیں نہ لیٹ ہوتی ہیں اور نہ ہی اپنے فرائض کو انجام دینے میں کاہلی و سستی کرتی ہیں۔ پھر جس حکمت وخوبی سے پھولوں کے چوسے ہوئے اس رس کو شہد بنانے کا عمل تکمیل پاتا ہے وہ تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان اتنی علمی کمال اور صنعتی ترقی کے باوجود آج تک کوئی ایسی مشینری تیار نہیں کر سکا جس کے ذریعہ وہ پھلوں اور پھولوں کے رس سے شہد جیسا جوہر کشید کر سکے یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ اس چھوٹی سی مکھی کو یہ مہارت اور یہ کمال کس نے سکھایا؟ یہ باقاعدگی، نظم ونسق کی پابندی، اپنے فرائض کی ادائیگی، اپنے امیر کی اطاعت، یہ فنی نزاکتیں اور اس پیچیدہ کام کو انجام دینے میں اتنی نفاستیں یہ سب چیزیں اس حیوان کو کس نے تعلیم کی؟

قرآن بتاتا ہے کہ صرف اور صرف اللہ۔ یہ خدائے واحد کی تعلیم ہے اسی نے یہ گُر، یہ سارے قاعدے، یہ طور یہ طریقے مکھی کو سکھایا ہے اور اس کی دی ہوئی سمجھ سے

شہد جیسی نعمت بنا کر انسان کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔

روایت میں ہے کہ شہد تمہارے لیے شفاء ہے، کسی ڈاکٹر یا طبیب سے پوچھے تو وہ تمھیں بتائے گا کہ شہد لا علاج بیماریوں کیلئے زوداثر تریاق ہے، دنیائے انسانیت کے سب سے بڑے طبیب سیدنا آقا محمد عربی نے فرمایا کہ شہد کی مکھی باغوں کے پھلوں اور پھولوں کا رس چوس کر جب اپنے چھتے کی طرف آتی ہے تو راستے میں مجھ پر درود پڑھتے ہوئے آتی ہے اس لیے درود شریف کے برکت سے اس میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔ مکھی اور شہد کی اس صحت بخش تاثیر میں تم جتنا غور کرو گے اتنے ہی اللہ کے قدرت کی نشانیاں تمھیں نظر آئیں گی۔

انسان اپنی اصلیت پر غور کر

اے انسان ذرا تو اپنی اصلیت پر تو غور کر جب تو دنیا میں آیا تھا تو کیا تیری سج دھج کا یہی عالم تھا۔ تیرے خزانے ہیرے جواہرات سے یوں ہی پر تھے؟ کتنا کم ظرف اور نادان ہے تو جو خدائے واحد سے رشتہ توڑ کر انگنت خداؤں سے رشتہ جوڑ لیا ہے، کیا تو نے اس قطرۂ آب پر توجہ نہیں دی جس سے تیرا یہ پتلا تیار کیا گیا ہے۔ شکم مادر میں تجھ کو کس نے پیدا کیا۔ وہ کون ہے جس نے تجھے اعضا کی ساخت، شکل و صورت کا تعین کیا، تیری دماغی صلاحیتوں اور مقدر کی پستی و بلندی کے بارے میں آخری فیصلہ صادر فرمایا۔ آج جب کہ تیرا طوطی بول رہا ہے۔ خدا کی دی ہوئی دماغی صلاحیتوں کے بدولت چاند ستاروں پر کمنڈیں ڈال رہا ہے۔ طاقت کے نشے میں زمین پر اکڑ کر چل رہا ہے۔ پھر بھی تیری یہ مجال نہیں کہ تو خدا کے فیصلے میں رائی برابر ردوبدل کر سکے۔ اتنی بے بسی اور اس پر فرعونیت کا دعویٰ پرلے درجے کی حماقت اور کوتاہ نظری ہے۔ ذرا غور کر جب تک کہ تیری موت کا مقررہ وقت نہیں آتا تو ہزاروں

خطرات میں سلامت رہتا ہے۔حتی کہ بارش کی طرح برستے ہوئے بم بھی تیرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔دشمن کی کوئی سازش تجھ کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔مگر جب صدر دفتر سے تیری موت کا پروانہ جاری ہوجائے گا تو پھر ہزاروں محافظوں کی جھرمٹ میں سے بھی موت کا ہاتھ تجھے اچک لے گا۔ پھر نہ کہیں تو بھاگ سکتا ہے نہ چھپ سکتا ہے، نہ خود بچ سکتا ہے اور نہ کوئی تجھے بچا سکتا ہے اور پھر جہاں تیرے خالق کی مرضی ہوگی وہاں تو دفن کر دیا جائے گا۔ زمین کا شکم، پرندوں درندوں کے معدے اور سمندر کی گہرائیاں تیرا مدفن بن جائیں گی۔ جب تیری بے بسی کا یہ عالم ہے تو تو اتنا غرور اور گھمنڈ کس بات پر کرر ہا ہے۔کیا تجھے اپنی دولت پہ ناز ہے؟ کیا اپنے دماغ کی صلاحیت پر گھمنڈ ہے؟ ذرا ایک مکھی تو بنا کے دکھا۔اللہ نے ایک مکھی پیدا کیا تو کائنات والے آج تک اس کو پیدا نہ کر سکے پھر تو جب ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتا تو تو اس ذات باری سے کیوں اکڑا ہوا ہے؟اس کے ہوتے ہوئے کیوں دوسرا خدا بنالیا ہے؟

صنعت اور تخلیق میں فرق

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ انسان کی صنعت (کسی چیز کو بنانا) اور خدا کی تخلیق (کسی چیز کو پیدا کرنا) میں بہت بڑا فرق ہے جس کو لوگوں نے جہالت کی بنیاد پر سمجھنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔اس لیے پہلے صنعت اور تخلیق کا معنیٰ سمجھو۔صنعت کسی چیز کو بنانے کا نام ہے۔ انسان جب کوئی چیز بناتا ہے تو اس کے لیے مادہ (میٹریل) پہلے سے موجود ہوتا ہے،جن کو ترتیب دے کر وہ کوئی شکل تیار کرتا ہے اسی کا نام صنعت ہے۔اور انسان اپنی صنعت میں مادہ کا محتاج ہوتا ہے مگر خالق اپنی تخلیق میں کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ یہ چاند، یہ سورج، یہ ستارے، یہ اونچے اونچے پہاڑ، یہ بہتے ہوئے جھرنے، یہ مسکراتی ہوئی کلیاں، یہ ہنستے ہوئے پھول، ان تمام کو اس نے

اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا۔ تخلیق کا معنی یہ ہے کہ کس چیز کو نیست سے ہست میں لائی جائے، جو پہلے سے موجود نہ ہو اس کو موجود کیا جائے، آج تک انسان اس بات پر قادر نہ ہوسکا کہ وہ کسی چیز کو تخلیق کرے۔ ہاں بنا ضرور سکتا ہے مگر تخلیق نہیں کرسکتا۔ آج جو لوگ تخلیق اور صنعت کو سمجھ نہ سکے وہ مخلوق کو خالق کہہ رہے ہیں۔

آخر لوگ غور وفکر کیوں نہیں کرتے؟ کیوں اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کررہے ہیں کیا انھیں معلوم نہیں کہ ہر پیدا ہونے والا فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے مگر باپ دادا کی اندھی تقلید کے باعث وہ کفر وشرک کا پرستار بن جاتا ہے۔ خدائے واحد کو چھوڑ کر انگنت خداؤں کی جھوٹی خدائی تسلیم کرنا عظمتِ انسانی کا خون کرنا نہیں تو پھر اور کیا ہے۔

انسان اپنے آپ کو پہچان

اے نادان انسان کاش تو نے اپنی حقیقت پر غور کیا ہوتا تو تجھ میں اپنے بلند مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہوئی ہوتی مگر افسوس تو نے اپنے آپ کو پہچانا نہیں۔ اے انسان! تو اپنے آپ کو پہچان۔ اگر تو نے اپنے آپ کو پہچان لیا تو اپنے رب کو پہچان لیا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو وہ مقدس ہستی ہے جس کے سامنے فرشتوں نے سر جھایا۔ تو وہ ذرہ ہے کہ تیرے سامنے آسمان کی بلندیاں اور رفعتیں سرنگوں ہیں۔ تو وہ قطرہ ہے جس میں سمندر کی گہرائیاں ہیں، تو وہ اشرف المخلوقات ہے کہ تیرے سر پر بزرگی اور کرامت کا تاج رکھا اور تیری خدمت گزاری کیلئے بیش قیمت خزانے، لہلہاتے ہوئے کھیت، رسیلے اور رنگیلے پھولوں سے لدے ہوئے سرسبز باغات، اونچے اونچے پہاڑ، خوشنما جھیلیں، رنگ برنگ پرندے، یہ چاند سورج ستارے یہ سب خدائے واحد نے صرف اور صرف تیری خدمت گذاری کیلئے پیدا کیں تاکہ تو اس سے فائدہ اٹھائے اور ان سے اپنی خدمت لے لیکن جادۂ حق سے بھٹکے ہوئے انسان، تیری پستی کا یہ عالم ہے کہ

تو نے ان تمام چیزوں کو خدائی مسند پر بٹھا کر خود ان کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر کسی بے انصافی کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ خدا کی ذات میں تو دوسروں کو شریک کرتا ہے میں تجھ ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو دولت و نعمت اللہ نے تجھے عطا کیا ہے کیا اس مال و دولت میں تیرے نوکر چاکر بھی برابر کے شریک ہیں؟ اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو تو خود ہی انصاف کر کہ اگر تو اپنے مال میں اپنے نوکروں چاکروں کو برابر کی شریک گوارہ نہیں کرتا تو تجھے شرم نہیں آتی کہ اللہ جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی تو اس کے ساتھ بے جان مورتیوں ،فنا ہونے والے انسانوں کو شریک بتاتا ہے ،تم خود ہی سوچو یہ کتنی بڑی بے انصافی ہے۔ اور صرف نا انصافی ہی نہیں بلکہ اپنے آپ پر ایک بہت بڑا ظلم ہے اور اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں۔ تم تو بہت عقلمند اور ہوشیار ہو۔ تمہارا ذہن ہر بات کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے۔ تمھیں ایسی بیوقوفی اور نا انصافی قطعاً زیب نہیں دیتی۔ جن بے جان بتوں کو تم نے اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے ان کی حقیقت پر بھی کبھی تم نے غور کیا؟ کائنات کی خوبصورت ،مفید اور بڑی بڑی چیزوں کو تم رہنے دو۔ انھیں کہو کہ وہ سب مل کر ایک مکھی ہی بنا دیں جو بالکل حقیر اور کمزور سی چیز ہے۔ ارے مکھی بنانا تو کجا ان بیچاروں میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس لے سکیں یا اپنی ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی کو اڑا سکیں۔ جن خداؤں کی بے بسی کا یہ عالم ہے انسان اگر انھیں اپنا معبود بنا لے تو دنیا میں اس سے بڑی حماقت اور ظلم نہیں ہو سکتا۔

خدا کی گرفت: اے لوگو! کفر و شرک سے باز آ جاؤ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور جب کوئی بستی گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑا بن جاتی ہے تو اسی وقت اس کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجا دی جاتی ہے بلکہ پہلے انھیں سمجھانے کیلئے اور راہ راست پر لانے کیلئے ان کے پاس رسول اور ہادی بھیجے جاتے ہیں جو انھیں احکام الٰہی پر کاربند

ہونے کی تلقین کرتے ہیں،لیکن اس کے باوجود اگروہ گمراہی پرڈٹے رہتے ہیں تو ان پر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔عبرت کے طور پر ان قوموں کا حال دیکھو جن کی بستیاں آج کھنڈر میں بدل چکی ہیں۔کیا ان ویران کھنڈروں کو دیکھ کر تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی۔تم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ یہ خوبصورت بستیاں کیوں اجڑ گئیں۔ان عالیشان محلوں میں آج اُلّو کیوں بول رہے ہیں؟ ذراغور کرو یہ ان لوگوں کے ٹھکانے ہیں جنھوں نے خدا کی وحدانیت اور پیغمبروں کی رسالت کو جھٹلایا۔جب انھوں نے اپنی قوم کو قیامت کے روز حساب دہی کا خوف دلاکر فسق وفجور اور فتنہ وفساد سے باز آنے کی تلقین کی تو انھوں نے بھی تمہاری طرح قیامت کے تصور کو غلط اور محال قرار دیا اور ہر قسم کے محاسبے سے بے خوف ہوکر گناہوں کی زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ عذاب الٰہی آیا اور ان کو نیست ونابود کر کے چلا گیا۔

اے کفروشرک کے پرستارو!سوچ بچار کیلئے جو مہلت تمہیں دی گئی ہے اگر تم نے اسے ضائع کردیا تو پھر یاد رکھو ایک دن موت کا فرشتہ آئے گا اور تمہاری زندگی کا چراغ گل کردے گا۔اس وقت تمہاری آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے پردے اٹھ جائیں گے اور اسلام کی صداقت کھل کر سامنے آجائے گی مگر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔آج اگر تم میری دعوتِ حق قبول کرنے کیلئے تیار نہیں اور میری نصیحت تمہارے لیے قابل تسلیم نہیں تو پھر جیسا تمہارا جی چاہے کرتے رہو،خواہ کسی پتھر کی پوجا کرو۔خواہ کسی دریا کو خدا بناؤ،خواہ کسی جن یا انسان کو اپنا معبود مانو یا دیوی دیوتا اور لنگ کو اپنا خدا تصور کرو۔تم جانو اور تمہارا کام،لیکن یہ یاد رہے کہ کفروشرک اختیار کرنے سے تم ایسا نقصان اٹھاؤ گے اور تمہیں ایسا خسارہ ہوگا کہ پھر اس کی تلافی ناممکن ہوگی۔

اسلام اور انسدادِ جرائم

اسلام ایک بہترین نظام حیات

اسلام دنیا میں ایک بہترین نظام زندگی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا دائرہ انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر پوری دنیا کی اجتماعی زندگی تک حاوی ہے۔ اسلام کے آئین میں نہ تو ترکِ دنیا ہے اور نہ ہی رہبانیت۔ اسلام تمام انسانی سوسائٹی کیلئے ایک ابدی پیغام ہے، جو تمام انسانی برادری کو برائیوں سے روکتا ہے اور اچھائیوں کا حکم دیتا ہے۔

اگر آپ عیسائیت کا مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوجائے گا کہ مذہب عیسوی کے اصول ہی کچھ الگ ہیں کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو دنیا کا سارا تہذیبی معاشرتی نظام درہم برہم ہوجائے۔ مثلاً بائبل میں ہے کہ ''تم برائی کا مقابلہ نہ کرو'' جو کوئی تمہیں ایک میل چلنے پر مجبور کرے تو تم اس کے ساتھ دو میل تک جاؤ، اگر تمہارے داہنے رخسار پر کوئی طمانچہ مارے تو اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے کردو، یہ ہیں عیسائیت کے اصول، مگر اسلام کے اصول اس کے برعکس ہیں، اسلام اس نوعیت کی تعلیم نہیں دیتا کیونکہ ان اصولوں پر صرف سادھوسنت اور تارک الدنیا ہی عمل کر سکتے ہیں عام مردوں اور عورتوں کیلئے ان پر عمل کرنا قطعی ناممکن ہے۔ اور اگر آج کے دور میں کوئی حکومت عیسائیت کے ان اصولوں کو قانوناً نافذ کردے تو سارا نظم ونسق انتشار اور بدنظمی کے نذر ہوجائے گا۔

اسلامیات کا مطالعہ کرنے والے یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام انسانی سوسائٹی میں داخل ہونے والی برائیوں کو سختی کے ساتھ روکتا ہے اور ظلم وبربریت کے خلاف آواز جہاد بلند کرتا ہے کہ ظالموں سے اس وقت تک لڑو جب تک ظلم، فتنہ اور

برائی ختم نہ ہوجائے، اسلام اپنے ماننے والوں کو ہرگز ہرگز ایسی بزدلی کی تعلیم نہیں دیتا کہ وہ خاموشی کے ساتھ ظالموں کے ظلم وستم کو سہتے رہیں۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''ظلم کرنے والوں سے زیادہ ظلم سہنے والے گنہگار ہیں'' قرآن میں ارشاد باری ہے کہ جو تمہارا داہنا آنکھ پھوڑے تو تم بھی اس کا داہنا آنکھ پھوڑ دو۔ جو تم پر ظلم وزیادتی کرے اور تمہارا خون بہائے تو تم بھی اس کا خون بہاؤ لیکن اگر تم معاف کردو تو یہ تمہارے لیے سب سے زیاہ بہتر ہے۔ اگر تم انتقام ہی لینا چاہتے ہو تو حد سے تجاوز نہ کرنا۔ اور اگر تم نے حد سے تجاوز کیا تو جس نے بھی زیادتی کی اور حد سے تجاوز کیا تو اس کیلئے دردناک عذاب ہے۔

اسلام میں انتقام کیوں؟

بسا اوقات انتقام لینے سے ظالم کا دماغ درست ہوجاتا ہے اور وہ لوگوں پر ظلم کرنے سے باز آجاتا ہے، اس لیے اسلام نے ظالم سے انتقام لینے کو مستحسن قرار دیا ہے۔ بعض لوگ ضرورت سے زیادہ امن پسند ہوتے ہیں۔ مظلوم اگر ظالم کا دستِ ظلم کاٹنے کیلئے تلوار بے نیام کرتا ہے تو شور مچانا شروع کردیتے ہیں اور اس انتقامی وجوابی کاروائی پر ملامت کرنے لگتے ہیں۔ حقیقت میں ایسے لوگوں کی وجہ سے ظالم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ دل کھول کر لوگوں پر ظلم وجفا کے تیر چلاتا ہے۔ اسلام کا یہ فلسفہ نہیں ہے کہ تم برائیوں کا مقابلہ نہ کرو بلکہ صاف اعلان کیا جارہا ہے کہ ظالم سے انتقام لینے کیلئے مظلوم جو کارروائی کرے گا بشرطیکہ وہ حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے تو اس پر کسی قسم کی ملامت نہیں ہوگی۔ ملامت کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ظلم وزیادتی کا آغاز کیا اور زمین پر فتنہ فساد کی آگ بھڑکائی۔ اسلام کا انتقامی رویہ ظلم اور تشدد نہیں بلکہ معاشرہ اور انسانی سوسائٹی کیلئے ایک رحمت ہے۔ اور اسلام نے یہ انتقامی

رویہ اس لیے اختیار کیا تا کہ ظالم اور جرائم پیشہ افراد کے ظلم کا سد باب ہو جائے۔ اور اگر عیسائیت کی طرح اسلام بھی برائیوں کا مقابلہ نہ کرتا تو معاشرے میں معصیتوں کا سد باب انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ انتقام میں بھی اسلام نے ایک حد متعین فرما دی ہے کہ انتقام میں بھی انصاف کو مدنظر رکھنا۔ کہیں جوش انتقام میں تم خود ظالم نہ بن جانا۔ بلکہ جتنی زیادتی تم پر کسی نے کی ہے اتنی ہی زیادتی تم اس پر کرنا۔

صرف مجرم ہی کو سزا دی جائے

انتقام کی اجازت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اب اسے کھلی چھوٹ مل گئی ہے جس طرح چاہے وہ اپنے دل کا بھڑاس نکالتا رہے۔ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ اگر طاقتور قبیلے کا کوئی شخص قتل کر دیا جاتا تو صرف قاتل کے قتل پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ قاتل کے قبیلے کے دس دس بیس بیس آدمی قتل کرنا اپنا حق سمجھتے۔ اگر کسی آزاد کو غلام قتل کر دیتا تو غلام کے بدلے میں غیر قاتل آزاد کا سر قلم کیا جاتا۔ اور اگر عورت قتل کرتی تو اس کے بدلے میں مرد قتل کیا جاتا۔ اس ظالمانہ اور غیر اسلامی دستور پر صدیوں عمل ہوتا رہا اور عرب اپنی نسلی نخوت اور قبائلی برتری کی تسکین بے گناہوں کا خون بہا بہا کر کرتے رہے۔ اسلام نے اس جاہلی دستور کو ایک قلم منسوخ کر دیا اور حکم دیا کہ مقتول کا قاتل ہی قصاص میں قتل کیا جائے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ یہ ظالمانہ اور وحشیانہ رواج صرف عرب ہی میں نہ تھا بلکہ دوسری قوموں میں بھی تھا اور آج تک یورپ کی حکمراں قومیں اس پر عمل پیراں ہیں۔ جنوبی افریقہ کے حبشی، آسٹریلیا کے اصلی باشندے اور امریکہ کے ریڈ اینڈین آج بھی اس پر شاہد ہیں۔ یہ فخر صرف اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے جھوٹے

امتیازات کے بت مدت ہوئے پاش پاش کردیئے۔ اور انسانی مساوات کا صرف قانون ہی نہیں پیش کیا بلکہ عمل کر کے دکھایا۔

اسلام نے قانون قصاص میں ایک اور اہم تبدیلی کی ہے وہ یہ ہے کہ اگر مقتول کے وارث قاتل سے صلح کرنا چاہیں تو وہ خوں بہا لے کر صلح کر سکتے ہیں جبکہ آج کل کے قانون میں قتل کا جرم صلح کے قابل نہیں جس سے بہت سی خرابیاں اور بگاڑ پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے ان بگاڑ اور خرابیوں کا احساس کرتے ہوئے صلح سمجھوتہ کی اجازت دی اور کہا کہ ایسی حالت میں جبکہ قاتل قتل کا ارتکاب کر چکا ہے، پیار، محبت، رحم وشفقت کے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں، عداوت اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگی ہے، قاتل مجرم ہے، قصور وار ہے اور تمہارا غصہ بھی بے جا نہیں، تاہم تمہارا بھائی تو ہے۔ اگر بخش دو، معاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جڑ جائیں اور معاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے اسے پھر سے سی دیا جائے۔ اسلام کا یہی رحمت بھرا پیغام تھا جس نے عرب کے شرکسوں کو اپنا مطیع وغلام بنا لیا تھا۔

خون بہا احسن طریقے سے ادا کرو

اب مقتول کے وارثوں کو نصیحت کی جارہی ہے کہ جس بھائی پر تم نے اتنا احسان کیا ہے اب خون بہا اس سے اس احسن طریقے سے طلب کرو کہ اسے تکلیف نہ ہو اور اس کی حیثیت کے مطابق ہو جس کو وہ با آسانی ادا کر سکتا ہو۔ اور قاتل کو چاہیے کہ وہ احسان فراموش نہ بنے بلکہ خوشی خوشی جلدی جلدی خون بہا ادا کر دے۔

اسلام چونکہ ایک دین رحمت ہے اس لیے اس نے قتل کی سزا قتل ہی مقرر نہیں فرمائی بلکہ خوں بہا ادا کرنے کی گنجائش بھی رکھی ہے جو نسل انسانی پر ایک طرح کی احسان عظیم ہے۔ اور اگر صلح وسمجھوتہ کے بعد بھی کوئی کسی پر ظلم وزیادتی کرے خواہ

قاتل ہو یا مقتول کے رشتہ دار تو انھیں سخت اور دردناک سزا دی جائے گی ہر ایک کو قانون کا احترام اور اس کی پابندی کرنی چاہیے۔ اسی لیے شریعت اسلامیہ نے قصاص لینے، حدود قائم کرنے اور تعزیرات لگانے کا حق افراد کو نہیں بلکہ اسلامی حکومت یا حکومت وقت کو دیا ہے، کیونکہ عدل وانصاف قائم رکھنے کی یہی صورت ہے۔ اگر افراد کو یہ حق مل جائے تو وہ افراتفری پیدا ہو کہ خدا پناہ!

اسلامی سزاؤں پر غیرمسلموں کا غلط پروپیگنڈہ

آج جب کہیں تعزیرات اسلامی (قانون کی وہ کتاب جس میں سزاؤں کا بیان ہے یعنی کہ قرآن پاک) کے تحت چوروں کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور زانیوں کو دُرّے لگوائے جاتے ہیں تو تنگ نظر، فرقہ پرست اہنسا کا وظیفہ پڑھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ بات وہ بھی تسلیم کررہے ہیں کہ اگر قاتل کو سزا نہ دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل وغارت گری کا بازار گرم کردیں گے، لیکن اگر قاتل کو اس کے جرم کے بدلے میں قتل کردیا گیا تو دوسرے مجرم بھی اس کا بھیانک انجام دیکھ کر جرم سے باز آجائیں گے اور اس طرح ایک قاتل کے قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل وغارت گری سے بچ جائیں گی۔ آج بعض ملکوں میں قتل کی سزا منسوخ کردی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ سزا ظالمانہ اور وحشیانہ ہے، مقتول تو قتل ہو چکا اب اس کے عوض میں ایک دوسرے آدمی کو تختۂ دار پر لٹکا دینا بے رحمی نہیں تو اور کیا ہے؟ دیکھئے! آپ خوفناک حقائق کو دلکش تاویل اور عبارتوں سے حسین بنا سکتے ہیں لیکن نہ آپ ان حقیقت کو بدل سکتے ہیں اور نہ ان کے برے نتائج کو روپذیر ہونے سے روک سکتے ہیں۔ جس ملک کے قانون کی آنکھیں ظالم قتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پرنم ہو جائیں وہاں مظلوم اور بیکس انسانوں کا خدا ہی حافظ

ونگہبان ہے۔مجرم کوسزا نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی آغوش میں ایسے مجرموں کو نازونعم سے پال رہاہے جواس کے چمنستان کے شگفتہ پھولوں کومسل کرر کھ دیں گے۔ اسلام چونکہ ایک دین فطرت ہے جو ہر قیمت پر عدل وانصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدعی ہےاس لیے وہ ایسی بیجا حرکت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ملک ووطن معاشرہ اور سماج میں امن وامان قائم کرنے اور فتنہ فساد کی جڑیں کاٹنے کا حکم دیا ہے جواس کی خلاف ورزی کر کےقتل وغارت گری،لوٹ ماراورڈاکہ زنی کا بازارگرم کرتا ہےوہ گویا اللہ ورسول کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے، البتہ ظالم حکمرانوں کے خلاف اپنی حقوق کی بازیابی کیلئے آواز جہاد بلند کرنااورہتھیاراٹھانا یہ اسلام کے نزدیک بغاوت نہیں بلکہ امراللہ میں شامل ہے۔

قتل وغارت گری اورلوٹ مارکی سزائیں

قتل وغارت گری اورلوٹ مار کا بازارگرم کرنے والوں کیلئے اسلام نے جو سزائیں بیان کی ہیں آج کی حکومتیں اگران پرعمل پیراہوجائیں توانسانی سماج کوایک پرسکون زندگی مل جائے۔

علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ جولوگ قتل وغارت گری، ڈاکہ زنی اورلوٹ مارکا ارتکاب کریں ایسے لوگوں کیلئے اسلام نے چارسزائیں مقرر کی ہیں: (۱)انھیں قتل کردیا جائے اوراگرمقتول کےوارث معاف بھی کردیں توبھی انھیں قتل کیا جائے گا، کیونکہ مدعی حکومت ہے جوعوام کی نمائندگی ہے، یہ مقتول کے وارثوں کانجی معاملہ نہیں رہا۔(۲)انھیں سولی دے دیا جائے (۳)ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے (۴)یاانھیں قید کردیا جائے،بعض علماء کا خیال ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہوگی جتنا جرم سنگین ہوگا اتنا ہی سزاسخت ہوگی۔چنانچہ احناف نے اس کی تفصیل یوں

بیان کی ہے کہ اگر انھوں نے قتل کیا تو انھیں قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے بخش دینے سے بھی معاف نہ ہوگا۔ اور اگر قتل کیا اور ڈاکہ بھی ڈالا تو پھر انہیں سولی دے دیا جائے گا۔ اور اگر انھوں نے قتل نہیں کیا صرف ڈاکہ ہی ڈالا ہے اور مال ہی لوٹا ہے تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ دیا جائے گا اور اگر انھوں نے نہ قتل کیا نہ مال لوٹا صرف لوگوں کو خوفزدہ اور دہشت زدہ کیا ہے تو پھر انھیں قید کیا جائے گا۔

کسی بھی ملک کی خوشحالی قیام امن میں ہے

دیکھئے! کسی بھی ملک کی ترقی وخوشحالی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ وہاں امن وامان ہو۔ راستے محفوظ ہوں، تجارتی قافلوں اور سامان کے لٹ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ لوگ طلبِ معاش اور اپنی دوسری ضروریات کیلئے بے دھڑک جہاں چاہیں جاسکیں اور جو فسادی عنصر ملک کے امن وامان کو برباد کررہا ہو جیسے کہ تمام شاہراہوں پر بسوں کو جلا دینا، پلوں کو بموں سے اڑا دینا، دوکانوں کو لوٹ لینا، ریل گاڑی کے پٹریوں کو اکھیڑ دینا، بجلی یا ٹیلی گراف کے تاروں کو کاٹ دینا، مواصلاتی نظام کو درہم برہم کر دینا، راہ چلتے ہنستے مسافروں کو مار ڈالنا، جو شخص ان تمام جرائم کو اپنا مشغلہ بنالے وہ کسی رحم وکرم اور نرم دلی کا مستحق نہیں۔ اس کو جتنی عبرت ناک سزا دی جائے اتنا ہی مفید ہے، ایسے فتنہ پرداز لوگوں کیلئے اسلام نے یہ سزائیں مقرر کی ہیں۔

ان سزاؤں پر اگر کوئی چیں بجبیں ہوتا ہے تو اس کی مرضی، لیکن اسلام کسی آفریں اور شاباشی کے لیے ایسے افراد کو اپنی سوسائٹی میں برداشت نہیں کرسکتا۔ اور ان کو ان کے ظلم وتشدد کی سزا دینے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ ممکن ہے سفاکوں اور رہزنوں کے ساتھ نرمی کرنا ہی رحم اور اہنسا ہو لیکن اسلام کے نزدیک ظالم کے ہاتھ سے ظلم کا تلوار چھین لینا اور اس کے ظالم ہاتھ کو کاٹ دینا رحمت ہے۔

چور کسے کہتے ہیں

ابھی تک آپ قتل وغارت گری کے متعلق سزائیں پڑھ رہے تھے۔ اب چوروں کے متعلق سزائیں بیان کی جارہی ہیں۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ چور کسے کہتے ہیں۔ علامہ القرطبی نے فرمایا کہ چور اس کو کہتے ہیں جو پوشیدہ طور پر کسی محفوظ جگہ میں آئے اور وہاں سے ایسا مال لے جائے جو اس کا اپنا نہیں ایسے شخص کو چور کہا جائے گا۔

قطع ید کے شرائط

علمائے اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کیلئے جن شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے مختصراً یہاں ان شرائط کا ذکر کرتا ہوں۔ قطع ید (ہاتھ کاٹنا) کیلئے چور کے متعلق شرطیں یہ ہیں: (۱) بالغ ہو نابالغ نہ ہو (۲) عاقل ہو پاگل اور دیوانہ نہ ہو (۳) مال مسروقہ (چوری کیا ہوا مال) کا مالک نہ ہو نہ سارے کا نہ اس کے حصے کا (۴) مال مسروقہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ اور جہاں سے چوری کی گئی ہے وہ جگہ محفوظ ہو۔ گھر ہو، دوکان ہو، یا اس مال کی حفاظت کیلئے کوئی پہریدار ہو۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی تفصیلات ہیں جن کے لیے آپ کتب فقہہ کی طرف رجوع کریں۔ یہاں صرف بتانا یہ ہے کہ چوری کرنے والا خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کی سزا یہ ہے کہ دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ اور یہ تمام سزائیں شارع عام پر دی جائیں تا کہ دوسروں کیلئے عبرت کا باعث ہو۔

مغربی قلمکاروں کی غلط تاویلیں

ممکن ہے کچھ لوگ ان سزاؤں کو بہت سخت خیال کریں اور کہیں کہ یہ اس غیر مہذب وسوسائٹی کیلئے تھا جن میں قرآن نازل ہوا۔ یورپی مورخین نے بھی اس

بات پر بڑا زور قلم صرف کیا ہے کہ یہ سزا صرف عادی مجرموں کیلئے ہے جنھیں قید و بند کی سختیاں بھی درست نہ کرسکیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے جس پاکیزہ معاشرہ و سماج کا سنگ بنیاد رکھا ہے، جس طرح قوم کے تمام افراد کے حقوق وفرائض کا توازن قائم کیا ہے، رعایا کے ہر فرد کی جان و مال عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت اسلامی اور حکومت وقت پر عائد کی ہے۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ سزائیں سخت اور شدید سہی لیکن عین مطابق ہیں۔ بالخصوص بھارت جیسے سیکولر ملک میں جہاں جرائم پیشہ افراد کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، یہاں اگر اسلامی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے اور شارع عام پر تو سو دو سو چوروں کے ہاتھ کاٹ دیا جائے تو چوری کی وارداتیں ختم ہو جائیں گی اور ان کٹے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر کوئی چوری کرنے کی ہمت و جرأت نہیں کرے گا۔ آپ خود انصاف کیجئے کہ آپ کی شفقت کا زیادہ مستحق کون ہے۔ وہ بیوہ، وہ یتیم، وہ پرامن شہری جس کی عمر بھر کی کمائی راتوں رات لوٹ لیا گیا ہو یا ہٹا کٹھا چور۔ جب سے مظلوم سے زیادہ ظالم، لٹنے سے زیادہ لوٹنے والا شفقت دعنایت کا مستحق سمجھا جانے لگا ہے، اس وقت سے مجرموں میں ہوش ربا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آپ اپنے یہاں ہی دیکھ لیں پولیس ہے، مجسٹریٹ ہے، جیل کھانے کھچا کچ بھرے ہوئے ہیں، لیکن جرائم میں زیادتی ہی ہو رہی ہے جس علاج سے بیماری گھٹنے کے بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہو وہ علاج ناکام ہے۔ اگر ہم مریض کو مار ڈالنے کا عزم مصمم کر چکے ہیں تو یہ اور بات ہے ورنہ مریض اور اس کے سارے کنبے کی خیر خواہی کا تقاضا تو یہی ہے کہ پہلا علاج اگر فیل ونا کامیاب ہو جائے تو دوسرا علاج کیا جائے۔ بنوامیہ کے ایک خلیفہ ہشام کو بھی تہذیب وشائستگی کا دورہ پڑا تھا اور اس نے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا منسوخ کر دی تھی، لیکن جب چوری کی وارداتیں آئے دن بڑھنے لگیں اور کوئی دوسرا حیلہ کارگر نہ ہو سکا تو دو سال کے عرصہ

کے بعد پھر سے قرآنی سزا نافذ کرنا پڑی۔اس نے تو پھر بھی اپنی غلطیوں کو بھانپ لیااور دوسال کے بعد ہی اس کا ازالہ کر دیا لیکن ہم تو حالات کی انتہائی نزاکت کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے اگر ملک بھر میں دس بیس چلو پچاس ہی چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں اور اپنا ملک چوری کی لعنت سے نجات حاصل کرلےتو میری سمجھ سے یہ سودا بہت سستا ہوگا اور اس مظاہرے سے یہ مظاہرہ بہتر ہوگا جو ہر روز انسداد جرائم کیلئے شاہراہوں اور سڑکوں پر کیا جاتا ہے۔

سزاؤں کی حکمتیں

میں ابتداہی میں بتا چکا ہوں کہ اسلام چونکہ پوری نسل انسانی کا مذہب ہے اس لیے وہ انسانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت اپنا مقصد اولیں سمجھتا ہے اگر کوئی شخص کسی کی جان تلف کرتا ہے تو شریعت اسلامیہ کی تعزیری قوانین کے تحت قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔اگر کسی کے مال پر دست درازی کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔اور اگر کوئی شخص کسی کی عزت و ناموس کو داغدار کرتا ہے تو اس کو دُرّوں اور رجم (سنگساری) کی سزادی جائے گی۔اور اسلام نے جوسزائیں مقرر کی ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ایک تو یہ ہے کہ مجرم کواس کے کیئے کی سزادی جائے دوسری یہ کہ وہ لوگ جن میں جرائم کے ارتکاب کا میلان پایا جاتا ہے وہ اس خوفناک سزا سے ڈر کر جرائم کا ارتکاب نہ کریں۔اور چاہئے بھی ایسا۔اگر کسی سزا میں یہ دوعنصر مفقود ہیں تو اسے سزا کہنا ہی غلط ہے۔گناہ کے ارتکاب سے جولذت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلے میں اگر سزا ہلکی ہوگی تو لوگ اس سزا کو خاطر میں نہیں لائیں گے اور حصول لذت کے لیے وہ جرم کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔اس لیے جرم کے مطابق سزادی جائے اور اگر سزا میں دوسروں کیلئے عبرت کا پہلو نہیں تو اس کا

مطلب یہ ہوگا کہ آپ چاہتے ہی نہیں کہ اس جرم کا سد باب ہو اور کوئی اس کے نزدیک بھی نہ بھٹکے آپ صرف ضابطے کی کاروائی پورا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہ تو ایک طرح سے بچوں کا کھیل ہوا اس کے پیش نظر معاشرہ وسماج کو گناہوں سے پاک کرنا اور ان کو خطرناک نتائج سے محفوظ رکھنا نہ ہوا۔

خوف الٰہی جرائم سے روکتا ہے

اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ انسانی معاشرہ وسوسائٹی میں امن ہو، محبت ہو، پیار ہو، ہمدردی ہو اور ہر انسان پُرسکون زندگی گزارے تاکہ سوسائٹی میں بسنے والے اور رہنے والے اپنی صلاحیتوں کو نیکی اور اصلاحی سرگرمیوں میں خرچ کر سکیں۔ تعمیری کاموں کیلئے ان کے پاس وقت کی قلت نہ ہو۔ عداوت، حسد، منافرت کے شعلے ان کے خرمنِ عافیت کو جلا کر خاکستر نہ کرتے رہیں اس لئے اسلام نے جرائم کے روک تھام کیلئے ادھوری اور غیر موثر کوششیں نہیں کی بلکہ ایک جامع منصوبہ بنایا ہے جس پر عمل کرنے سے انسانی سوسائٹی تمام جرائم سے محفوظ ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اسلام نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں خداوند ذوالجلال پر ایمان اور روز محشر کے محاسبے کا خوف پیدا کیا۔ اور یہ حقیقت ان کے سامنے واضح کر دی کہ جس خدا کو اپنا معبود سمجھتے ہو، جو تمہارے اور سارے عالم کا خالق و مالک ہے اس نے ان اعمال اور کرتوتوں کو جرم قرار دیا ہے (جو تم کرنے جا رہے ہو) اگر تم ان کا ارتکاب کرو گے تو اس کے مجرم ہو گے اور وہ تمہارا ظاہر و باطن سب کچھ جانتا اور دیکھتا ہے۔ تم اس سے اپنا کوئی عمل اور حرکت چھپا نہیں سکتے۔ تصنع اور بناوٹ کے رنگین غلافوں میں لپٹنے کی کوئی کوشش وہاں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ تم اپنے حسن نیت یا مجبوری کو کتنے موثر انداز پیرائے میں بیان کرو تم اسے فریب نہیں دے سکتے وہ تمہاے اعمال اور ان اعمال کے

محرکات سے خوب آگاہ ہے، نیز قیامت کے دن تم اپنے ان اعمال کی جواب دہی کے لیے اس کی بارگاہ عدالت میں ضرور پیش کئے جاؤ گے اس وقت ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ کا حساب دینا ہوگا۔

ملحدانہ ذہنیت

آج کفار اور ملحد لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیاوی زندگی ہے اس میں خوب وعیش وآرام کرلو۔ خوب مزے اڑاؤ، دولت کماؤ جتنی کما سکتے ہو، حلال وحرام کے چکر میں نہ پڑو، یہ مُلّاؤں اور مولویوں کی من گھڑت باتیں ہیں، جاہ ومنصب حاصل کرنے کے لئے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہونے دو۔ مکر وفریب کی ضرورت پڑے تو ہرگز نہ گھبراؤ، قیامت کس نے دیکھی ہے؟ ہزارہا سال سے یہ مولوی حضرات قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آرہے ہیں دیکھو ان کی باتوں میں آکر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

یہ ہیں وہ آوازیں جو ہر چہار جانب سے آج سنائی دے رہی ہیں۔ قرآن میں اللہ ان کے اس مغالطے کا رد فرماتا ہے کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین وآسمان کا یہ سارا نظام عبث اور بے مقصد ہے، جنت اور دوزخ ایک افسانہ ہے۔ ایک نیکوکار مومن اور ایک کافر کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں۔ متقی پرہیز گار، فاسق وفاجر، اچھے برے سب یکساں ہیں۔ سن لو! اس کائنات کے خالق ہم ہیں، ہم نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی، ہم علیم بھی ہیں اور حکیم بھی۔ ہمارا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی، اس روز متقی اور پرہیز گار، مومن اور کافر، نیکوکار اور بدکار اپنے اپنے کرتوتوں کا سزا پائیں گے۔ متقی پرہیز گار اور نیکوکار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور کافر ومشرک، فاسق وفاجر اور بدلوگ ذلیل ورسوا ہوں گے۔ حق کا بول ہوگا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی؟

زنااور بہتان پر سزائیں

اسلام دین فطرت ہے اس کا نظامِ شریعت ایسانہیں جو انسانوں کے فطری تقاضوں سے ہروقت برسر پیکار ہو۔ اللہ تعالیٰ ان فطری تقاضوں کا خالق ہے اور ان فطری تقاضوں کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس لئے اس نے ان کی تکمیل کے تمام جائز، مناسب، خوبصورت اور مفید طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔ فطری تقاضوں کے تکمیل کے جائز طریقوں کے ہوتے ہوئے جو شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے وہ اسے سزا دیتا ہے اور سزا بھی ایسی جس سے اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کر کے اس نے اپنے ساتھ سراسر زیادتی کی ہے بلکہ دیکھنے اور سننے والوں کو بھی ایسی عبرت ہوتی ہے کہ وہ اس کے ارتکاب کی جسارت شاذ و نادر ہی کیا کرتے ہیں۔ مثلاً زنا ہی کو لے لیجئے۔ زنا کا جرم اسلامی معاشرہ میں نا قابل براشت ہے، جو شخص اس کا مرتکب ہوگا، اس کے لئے ایسی عبرتناک سزا مقرر کی گئی ہے جو کسی دوسرے گناہوں پر اتنی سخت سزا نہیں دی جاتی ہے۔ اسی طرح زنا کا غلط بہتان لگانا بھی انتہائی سنگین جرم ہے جو شخص کسی پاک دامن عورت پر یا کسی پاکباز عصمت شعار مرد پر یہ الزم لگائے گا، اسے معمولی بات خیال کر کے نظر انداز نہیں کر دیا جائے گا بلکہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اس الزام کو ثابت کرنے کیلئے چار گواہ پیش کرے اور اگر وہ چار گواہ نہیں پیش کر سکے گا تو اسے ۸۰-۸۰ (اسّی اسّی) درّے لگائے جائیں گے تا کہ ہر شخص کو پتہ چل جائے کہ کسی کے عزت و ناموس پر غلط الزام لگانا مذاق نہیں ہے۔ نیز شہادت میں بھی حد درجہ کی احتیاط کی گئی ہے۔ چار ایسے مرد گواہ ہونے چاہیے جو مسلمان ہوں، عاقل، بالغ، آزاد اور عادل ہوں جن کی صداقت اور دیانت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو اور گواہی بھی اسی طرح دیں کہ انھوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالت

مباشرت میں دیکھا ہو۔ اگر گواہوں کی گواہی میں جگہ، وقت، مزینہ وغیرہ امور کے متعلق اختلاف پائے جائیں تو گواہی مردود ہوگی اور حد نہ لگائی جائے گی۔

زنا سے غیرت اور خودداری ختم ہو جاتی ہے

یوں تو بہت سے جرائم اور اعمال ہیں جن کے ارتکاب کو اسلام نے جرم قرار دیا ہے، مگر ان میں سب سے زیادہ عظیم جرم زنا ہے۔ قرآن نے اس کی ممانعت کی حکمت بڑے فصیح و بلیغ انداز میں صرف دو لفظوں میں بیان کر دیا ہے کہ زنا کے قریب تک جاؤ (کرنے کی بات تو الگ ہے) کیونکہ یہ بڑی بے حیائی والی چیز ہے۔ اور یہ راستہ بہت ہی برا راستہ ہے یعنی ہم تمہیں اس فعل بعد سے اس لیے نہیں روک رہے ہیں کہ تم لطف نہ اٹھاؤ اور تمہارے زندگی کا دامن مسرتوں سے خالی رہے بلکہ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ یہ فعلِ بد (زنا) مجسم بے حیائی ہے اگر تم اس کا ارتکاب کرو گے تو شرم وحیا کی قوتیں جو تمہیں ہر برے کام سے، ہر رذیل حرکت سے روکتی ہے اور صرف روکتی ہی نہیں بلکہ گناہوں اور بدکاریوں کے سیلاب کے سامنے سد سکندری (دیوار) بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ وہ قوت کمزور پڑ جائے گی۔ وہ بیمار ہو جائے گی حتی کہ وہ دم توڑ دے گی۔ اور جب یہ قوت فنا ہو جائے گی تو شرم وحیا غیرت وحمیت کا جنازہ نکل جائے گا پھر اگر کوئی شخص یہ فعل شنیع (زنا) جس کے تصور سے ہی تم کانپ اٹھتے ہو تمہاری بیوی، تمہاری بہن، بلکہ بیٹی کے ساتھ بھی کرے گا تو تم اسے کوئی اہمیت نہ دو گے، یورپ، امریکہ اور ان سے متاثر ہونے والے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے۔ رقص گاہوں اور سنیما کے پردوں پر لوگ اپنی آنکھوں سے اپنی بہو، بیٹیوں کو دوسروں کے آغوش میں دیکھتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ وہ دَیّوث فخر سے اترا رہے ہوتے ہیں اور داد دے رہے ہوتے ہیں۔ عریانیت، بے حیائی، بے شرمی اور بدتمیزی کا نام آج

لوگوں نے کلچر اور ترقی رکھ دیا ہے۔

انسانی زندگی پر زنا سے رونما ہونے والے اثرات

ممکن ہے کسی مسخ شدہ ذہن والے آدمی کے نزدیک شرم، حیا، خودداری، غیرت وحمیت اور اخلاق عالیہ کی یہ گراں بہا قدریں کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں وہ محض انھیں دقیانوسی، قدامت پرستی اور رجعت پسندی کی علامت قرار دیتا ہو، لیکن قرآن نے انسانی زندگی پر زنا سے پڑنے والے اثرات سے آگاہ فرما کر ایسے کند ذہن کو بھی حقائق کی تلخیوں، حالات کی بے رحمیوں اور واقعات کی سنگینیوں کے روبرو کھڑا کر دیا ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ اے نادان انسان! یہ راستہ زنا کاری کا جو تم نے اپنایا ہے یہ بہت ہی برا راستہ ہے۔ چند لمحوں کی فانی اور جھوٹی مسرت کیلئے انسان اپنی صحت کو کن خطرات سے دوچار کر دیتا ہے۔ آتشک، سوزاک اور ایڈز جیسے موزی امراض کس کا کرشمہ ہیں؟ یہ تحائف کون دیتا ہے اور کسے دیتا ہے؟ وہ عورت جو مرد کی شہوت رانی کا شکار ہوتی ہے اسے اگر حمل ٹھہر گیا تو وہ مظلوم کہاں سر چھپائے گی۔ حمل گرانے کی صورت میں وہ اپنی جان بھی کھو سکتی ہے۔ ہم نے مانا کہ امریکہ، یورپ اور دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں ایسے ہسپتال اور کلینک موجود ہیں جو اسقاط حمل کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ایسی پناہ گاہیں بھی موجود ہیں جہاں غیر شادی شدہ ماؤں کو پناہ مل جاتی ہے، لیکن کیا سوسائٹی میں انہیں کوئی قابل احترام مقام نصیب ہو سکتا ہے؟ ہم نے مانا کہ ان دونوں نے اپنے کئے کی سزا پائی لیکن وہ بچے جو اس طرح پیدا ہوتے ہیں ان کا کیا قصور؟ اس ہوس کار باپ نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیں۔ ماں بھی اسے کسی ''محتاج خانہ'' اور آشرم میں چھوڑ کر چلی گئی۔ نہ ان کو ماں کا آغوش محبت نصیب ہوا اور نہ باپ کا پیار۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ محرومیاں ان کو ورثے میں کیوں ملیں۔ یہ سزائیں انھیں کس گناہ کی مل رہی ہیں کیا

ان بچوں کے ذہن متاثر نہیں ہوتے۔ظالم سماج نے ان کے ماؤں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے کیا وہ انتقاماً ایسا نہیں کر سکتے؟

ویتنام اور کوریا میں امریکی فوجیوں کے ہاتھوں عصمتوں کا خون

ابھی چند سال ہوئے امریکہ کی ایک خاتون کوریا گئیں، وہاں انھوں نے بے شمار ایسے معصوم بچے دیکھے جن کی مائیں تو کوریا کی تھیں لیکن ان کے باپ امریکہ کے وہ سپاہی تھے جو کوریا و یتنام کی جنگ میں اہل کوریا کی مدد کیلئے تشریف لائے تھے۔ وہ کوریا والوں کو کمیونسٹوں کی غلامی سے چھڑانے آئے تھے۔ وہ انھیں جمہوریت کی بالا دستی کا سبق از بر کرانے آئے تھے۔ وہ سبق انھیں از بر ہوا یا نہیں البتہ یہ ضرور ہوا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کورین دوشیزائیں ان کی ڈالروں کی جھنکار سے مسحور ہو کر یا جنگ کی لائی ہوئی محرومیوں اور فاقوں سے مجبور ہو کر اپنی عصمت کی دولت لٹا بیٹھیں اور ان کے مہربان امریکی حلیف انھیں حرامی بچوں کا ایک لشکر جرار دے کر چلے گئے۔خود تو وہ اپنے وطن واپس چلے گئے اور وہ معصوم بچے اپنے ظالم جفا کار باپوں اور غربت زدہ ماؤں کی مفارقت کے صدمے برداشت کرنے کیلئے کوریا میں رہ گئے اور وہ اب تک کوریا ویتنام اور دنیا کے دیگر مما لک کے گلی کوچوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔آج ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔امریکہ کی اس خاتون نے جب یہ حال دیکھا تو رحم کی ایک رَو نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا اور اس نے امریکہ کے اخبارات میں ایک اپیل شائع کی کہ ان بچوں کی سرپرستی و کفالت کیلئے امریکہ کے دولت مند اور سرمایہ دار چندہ دیں۔لاکھوں ڈالر چندہ ہوا۔اخبارات میں امریکہ کی غریب پروری اور انسانیت نوازی کی تشہیر ہوئی اور خوب تشہیر ہوئی، لیکن ذرا سوچئے ان لاکھوں بچوں میں سے اگر ہزار دو ہزار بچے کفالت میں لے بھی لئے گئے تو کیا یہ مسئلہ حل ہو گیا؟ باقی رہ جانے والے بچوں کے دکھ کا مداوا اور درد

کا درما ہو گیا؟ ان کفالت میں لئے جانے والے بچوں کو کیا ماں کا پیار اور باپ کی محبت بھی مل گئی؟ وہ محترمہ خاتون اس اپیل اور ہنگامہ آرائی کے بجائے اگر اپنے بے شرم سپوتوں کو شرم وحیا کا درس دیتیں اور زنا کاری سے باز آنے کی تلقین کرتیں تو کیا یہ اچھا نہ ہوتا۔ آگ لگا کر اسے بجھانے کی ناکام کوشش سے کیا یہ بہتر نہیں کہ آگ لگانے کی حماقت ہی نہ کی جائے۔ کوریا اور ویتنام کی یہ جیتی جاگتی تصویریں اس لیے پیش کی ہیں تاکہ آپ باآسانی اس سے رونما ہونے والے نتائج کو سمجھ سکیں۔ اگر آپ ان افراد، ان خاندانوں اور قوموں کا گہری نظر سے تجزیہ کریں گے تو آپ کے سامنے ہولناک حقائق بے نقاب ہوتے چلے جائیں گے۔ آپ بڑے فراخ دل، مغربیت زدہ اور جدت پسند ہونے کے باوجود کانپ جائیں گے، لرز جائیں گے۔

برطانیہ میں امریکی فوجیوں کے سیاہ کارنامے

دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کے فوجی اپنے دوست ملک برطانیہ کی مدد کیلئے تشریف لائے تھے وہ چند سال برطانیہ میں ٹھہرے اور جب گئے تو سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ستر ہزار حرامی بچے چھوڑ کر گئے۔ اس کے علاوہ جو جنسی لاعلاج بیماریاں ایڈز کی شکل میں انھوں نے ایک دوسرے کو بطور تحفہ دی ہوں گی ان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

قدرت کا طمانچہ: چونکہ یورپ اور امریکہ میں آزادیٔ نسواں کے نام پر ایکدم چھوٹ ہے۔ وہاں عورت آوارہ مزاج گائے کی طرح جدھر منہ اٹھائے اُدھر جاسکتی ہے۔ اجنبی اور غیر مردوں سے آزادانہ مل سکتی ہے اور ان سے جسمانی تعلقات رکھنے میں ذرا بھی عار محسوس نہیں کرتی۔ مرد بھی آوارہ مزاج بیل کی طرح کسی کے بھی چراگاہ میں منہ ڈال سکتا ہے۔

وہاں کے معاشرہ اورتہذیب میں بے حیائی، بے شرمی، زنا کاری جیسی انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں معیوب نہیں سمجھی جاتی ہیں جس کے نتیجے میں آج یورپ اور امریکہ میں زنا کاری عام ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ ایڈز جیسی مہلک بیماری صرف اور صرف امریکہ اور یورپ کی دین ہےتو میرا یہ کہنا حق بجانب ہے۔اور یہ بھی درست ہے کہ آپ اپنے قانون ساز اداروں کے ذریعہ ایک فعل کو جرائم کی فہرست سے نکال سکتے ہیں اگرآج تک وہ حرام اورممنوع رہا ہےتو آپ ایک بل پاس کر کے اسے جائز قرار دے سکتے ہیں لیکن کیا کسی قانون ساز ادارے میں یہ طاقت ہے کہ ان جرائم کو جنھیں اب قانون کی سندمل گئی ہےان کے برے نتائج اورانجام سے مرتکب کوالگ کر سکے۔مغرب کے بیشترممالک میں اگرکوئی غیرشادی شدہ مرد یاعورت اپنی مرضی سے اس فعل شنیع کا ارتکاب کرےتو وہاں کی ملکی قانون کی رو سے یہ جرم نہیں۔آپ انہیں کوئی سزانہیں دیں گے لیکن کیا قدرت کی گرفت سے بھی کوئی انھیں بچا سکتا ہے؟ قدرت کی گرفت کے مختلف انداز ہیں، جن میں سے بعض کا ذکر آپ نے پڑھا۔کیا قدرت کا بےلاگ قانون انھیں مختلف قسم کے شکنجوں میں کس نہیں رہا ہے؟ یورپ کے کئی ملکوں میں حرامی بچوں کی شرح پیدائش ساٹھ فیصد سے بھی متجاوز ہوگئی ہےاورآئے دن کنواری ماؤں میں شدت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ طلاقوں کی کثرت ہے۔ گھروں میں سکون کی دولت نہیں ملتی۔میاں بیوی میں اعتمادمفقود ہےاور وہ سچی محبت جس کی وجہ سے میاں بیوی ایک دوسرے کیلیۓ قربانی اورایثار کی حیران کن مثالیں قائم کرتے ہیں اس کا وہاں نام ونشان تک نہیں۔ برداشت اورایثار کا جذبہ بالکل ختم ہو چکا ہے۔کوئی بات کسی کے مرضی کے خلاف ہوگئی جھٹ طلاق حاصل کرلی۔ یہ تو چندروزہ دنیاوی عذاب اورسزا ہے مگرآخرت کا دائمی عذاب اورسزا ابھی باقی ہے۔

خودغورفرمایئے گھر معاشرے کی خشتِ اول ہے یہ وہ محکم اساس (بنیاد) ہے

جس پر معاشرے کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے، اگر یہ بنیاد ہی کمزور ہوگی تو صحت مند معاشرہ کیسے تعمیر ہوگا۔ اسلام چونکہ دین رحمت اور نسل انسانی کا خیر خواہ ہے اس لیے اس نے جن چیزوں کے بجالانے کا حکم دیا ہے ان میں ہمارے سماج کا ہی نہیں بلکہ پوری انسانی برادری کا بھلا ہے اور جن چیزوں سے روکا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس میں ہمارا، ہماری قوم اور سارے نسل انسانی کا نقصان ہے کیونکہ یہ دین قیامت تک کے لئے بنی نوع انسان کی ضرورت کا سامان بن کر آیا۔

اس لیے کوئی ایسا وقت نہیں آسکتا کہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں حلال ہو جائیں یا ان پر مرتب ہونے والے اثرات ختم ہو جائیں۔ یورپ کے کئی مما لک میں شراب پینا، جوا کھیلنا اور زنا کرنا قانوناً جائز ہے، اس کی جہ یہ نہیں کہ وہاں شراب پینا، جوا کھیلنا اور زنا کاری سے وہ نقصانات رو پذیر نہیں ہوتے جن کے باعث شراب، زنا اور جوا کو ممنوع قرار دیا گیا تھا بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے ذریعہ حکومت کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے اور اگر ان چیزوں کو ممنوع قرار دے دیا جائے تو حکومت اس کی آمدنی سے محروم ہو جائے گی۔

زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارو

اس وضاحت کے بعد اب بدکار مرد اور بدکار عورت کیلئے اسلام نے جو سزا تجویز کی ہے اس کو بغور پڑھیں، زانی مرد اور زانیہ عورت کو اسلام نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے اور اسی تقسیم کے پیش نظر ان کی سزاؤں میں بھی تفاوت ہے (۱) غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت (۲) شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت۔ تمام علمائے اسلام اور امت محمدیہ کا اس پر متفقہ فیصلہ ہے کہ زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو سو کوڑے لگائے جائیں، یہ سزا غیر شادی شدہ مرد عورت کیلئے ہے۔ اور شادی شدہ مرد اور عورت

اگر زنا کریں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں رجم کر دیا جائے یعنی شاہراہ عام پر کھڑا کر کے اس پر اتنے پتھر برسائے جائیں کہ وہ دونوں مر جائیں۔ اس سزا کا ایک اہم مقصد دوسروں کو عبرت دلانا ہے اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ یہ حد مجمع عام میں قائم کیا جائے تا کہ لوگ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور جرائم سے اجتناب کریں اور جب کوئی شخص حد قائم کرنے کے باعث مر جائے تو اس کے لاش کی توہین و تذلیل نہیں کی جائے گی بلکہ عام مسلمانوں کی طرح اسے غسل وکفن دیا جائے گا، نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ زانی اور زانیہ کو جس کوڑے سے مارا جائے وہ نہ بہت سخت ہو اور نہ زیادہ نرم اور حد جسم کے ایک ہی حصے پر نہ لگائی جائے بلکہ منہ، سر اور شرم گاہ کے علاوہ جسم کے مختلف حصوں پر لگائی جائے۔

حدود اللہ میں کمی اور بیشی کرنے والوں کا دردناک انجام

جس نے بھی شرعی حدود میں کمی یا زیادتی کی، قیامت کے دن اس سے باز پرس کی جائے گی۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے حاکم کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا جس نے حد میں کمی کی ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا تیرے بندوں پر رحمت وشفقت کیلئے، اسے کہا جائے گا کیا تو مجھ سے زیادہ ان پر رحم کرنے والا ہے؟ اسے دوزخ میں پھینک دیئے جانے کا حکم دیا جائے گا پھر ایسے حاکم کو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا جس نے مقررہ حد سے ایک کوڑا زیادہ مارا ہوگا اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے گی، اللہ فرمائے گا کیا تو مجھ سے زیادہ حکم کرنے والا ہے؟ پھر اسے بھی آگ میں پھینکے جانے کا حکم صادر ہوگا۔

زنا کے متعلق اتنا سخت رویہ اور احتیاطی تدبیر اختیار کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام لوگوں کو بلا وجہ سزا دینے کا شوق نہیں رکھتا کہ بس جہاں کہیں کسی نے انگشت نمائی کی وہاں

کوڑے برسنے لگے اور لہو بہنے لگا یا ذرا موقع پاتے ہی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ سزا دراصل ایک انتہائی اقدام ہے جو صرف ایسے شخص کے خلاف ہی کیا جائے گا جس کے دل میں نہ خدا کا خوف ہے نہ قیامت کا ڈر ہے، نہ قرآن وحدیث کا پاس ہے، نہ اسے سوسائٹی میں ذلیل ورسوا ہونے کا کوئی اندیشہ ہے، درحقیقت ایسا شخص ایسے ہی سزا کا مستحق ہے۔

زانی کے متعلق خدا کا فرمان

روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زانی کے سزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اسے آگ کی زرہ پہناؤں گا اور وہ زرہ ایسی وزنی ہے کہ اگر بہت بڑے پہاڑ پر رکھ دی جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہوجائے۔ارشاد رسول ہے کہ جب بندہ مومن زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے اور مثل چھتری کے اس کے سر پر معلق رہتا ہے اور جب وہ زنا سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس کا ایمان پھر لوٹ آتا ہے۔

علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ اگر وہ حالت زنا ہی میں مر گیا تو پھر وہ ایمان سے خارج ہو کر مرا۔(نعوذ باللہ) عطائے رسول ہند الولی خواجہ غریب نواز ایک مفہوم حدیث ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص زنا کرتا ہے اور بعد زنا غسل کرتا ہے تو غسل کے پانی کے ہر ہر قطرے سے ایک ایک شیطان پیدا کیا جاتا ہے اور وہ سب جتنے بھی گناہ لوگوں سے کرواتے ہیں ان سب کا ذمہ دار زانی ہوگا اور اس کے نامۂ اعمال میں وہ سب گناہ لکھا جائے گا جو شیطانوں نے لوگوں سے کرایا۔

کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری ماں، بہن بیٹی کے ساتھ یہ حرکت کیا جائے

یہ حدیث پاک پڑھئے اگر ذرا بھی کوئی خلش ہوگی تو دور ہوجائے گی۔ ایک نوجوان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے

زنا کی اجازت دیجیے۔ حاضرین اس کی اس بیبا کی پر برافروختہ ہوگئے اور اسے جھڑکنا شروع کیا، لیکن مرشد کامل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے محبت سے اپنے قریب بلایا، جب وہ قریب ہوگیا ہے تو اسے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ نوجوان بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا جس امر کی تم نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کیا تم اسے اپنی ماں کیلئے پسند کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا بخدا ہرگز نہیں۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے ساتھ یہ پسند نہیں کرتے پھر دریافت کیا، کیا تم اپنی بیٹی کیلئے پسند کرتے ہو۔ بولا میں قربان جاؤں ہرگز نہیں۔ فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے ساتھ پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا کیا اپنی بہن کیلئے تم پسند کرتے ہو۔ عرض کی خدا کی قسم! نہیں۔ فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کیلئے پسند نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حکیمانہ اور شفقت بھرے انداز نے اس کے سامنے زنا کی قباحت کو بے نقاب کر کے رکھ دیا اور شاید ان سطور کو جو بھی پڑھے گا اس پر بھی اس کی قباحت وحقیقت بالکل آشکارا ہو جائے گی۔ اس کے بعد محسن انسانیت محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست نبوت اس کے سر پر رکھا اور دعا فرمائی کہ اے میرے خدا اس نوجوان کا گناہ بخش دے اس کا دل پاک کر دے اور اس کو بدکاری سے بچا۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی زنا کا تصور تک بھی نہ کیا۔

محرکات زنا سے بچو

زنا کے دوررس نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ یہ بہت ہی برا راستہ ہے اس سے مہلک بیماریاں پھیلتی ہیں، عورت کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے، عورت ماں کے تقدس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو کر ایک بازاری جنس بن جاتی ہے۔ یہ مشاہدہ کیلئے حیدرآباد، دلی اور ممبئی کے ریڈ لائٹ ایریا میں کم عمر لڑکیوں کو دیکھئے جو قحبہ

خانوں میں سڑ رہی ہیں۔آج لاکھوں حرامی بچے کوریا اور ویتنام کے گلیوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔غرضیکہ اس فعل بد کے ارتکاب سے فتنہ فساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں اور خاندانوں کے خاندان اس میں تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں۔ انہیں قباحتوں اور روح فرسا نتائج کی وجہ سے اسلام نے فرمایا کہ اس فعل کا ارتکاب تو بہت دور کی بات ہے، اس کے قریب تک بھی مت جاؤ یعنی وہ تمام امور جو اس فعل کے ارتکاب پر اکساتے ہیں،ان سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا جارہا ہے۔مثلاً بھڑکیلئے کپڑے،تنگ اور چست لباس بے پردگی،مرد وزن کا اختلاط،بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط تعلیم،'لو اسٹوری'،فحش لٹریچرس،غزلیں،مشاعرے،رقص اور بلیو فلمیں یہ تمام چیزیں جذبات کو اتنا مشتعل کردیتی ہیں کہ کوئی لاکھ بچنا چاہے بچ نہیں سکتا۔اسلام چونکہ انسانی فطرت کو اچھی طرح پہچانتا ہے اس لیے وہ تمام چیزیں جو برائی اور زنا کے محرکات میں ہیں ان سے بچنے کیلئے کہا ہے،سگنل گاڑی آنے سے پہلے دی جاتی ہے بعد میں نہیں۔

سماجی مجرموں کو خدا کے حضور جواب دینا ہوگا

جولوگ اپنی قوم کو راہ حق سے بھٹکاتے ہیں۔اپنے نوجوانوں کے شہوانی جذبات کو مشتعل کرنے کے اسباب فراہم کرکے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔زندگی کی تلخ حقیقتوں اور سنگین ذمہ داریوں سے غافل کرکے انہیں عیش ونشاط کا خوگر بناتے ہیں اور فسق وفجور کی بازار میں لاکر ننگا کھڑا کردیتے ہیں۔وہ لوگ خوب اچھی طرح سے جان لیں اور کان کھول کر سن لیں کہ یہ سودا انھیں بہت ہی مہنگا پڑے گا انھیں یہاں بھی اور وہاں بھی رسوا کن حالات سے دوچار کردیا جائے گا۔

آج ہم اپنے معاشرے میں عریانی اور بے حیائی کا امڈ کر آتا ہوا سیلاب دیکھ رہے ہیں جس کی چیختی چنگھارتی ہوئی موجوں کی ہیبت سے دین اور اخلاقِ حسنہ کے مضبوط قلعے

ٹھہرا رہے ہیں۔ ہماری اخلاقی قدریں ایک ایک کر کے تلف کی جا رہی ہیں، ہماری زندگی سراسر لہو ولعب بنتی جا رہی ہے۔ سنجیدگی اور متانت کا عنصر تیزی سے ناپید ہو رہا ہے، بے حیائی، بے شرمی اور بے غیرتی بڑھ رہی ہے۔ جاہ طلبی، لذت کوشی اور سیم وزر کی ہوس کی قربان گاہ پر ملّی اور قومی مفادات کو بھینٹ چڑھا دینا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں۔ ہمارے اہل قلم کی عظیم اکثریت ہماری فلم انڈسٹری، نائٹ کلبیں اور بڑے بڑے شہروں میں قحبہ خانے قیامت برپا کر رہے ہیں، یہ سب کچھ کھلے بندوں بے روک ٹوک ہمارے حکام کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی باز پرس نہیں کرتا، بلکہ ان تباہ کن عوامل کو حکومت کی سرپرستی اور حکام کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ آج سود، بلیک اسمگلنگ اور رشوت جیسے جرائم عام ہیں اور اس میں ریلوے کے ملازمین سے لے کر اعلیٰ حکام تک بری طرح ملوث ہیں۔ وہ اسے برائی ہی نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے بھی ہیں تو ایک معمولی سی۔ یاد رکھئے! ہر برائی ابتدا میں بالکل معمولی ہی دکھائی دیتی ہے لیکن وہ بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی جاتی ہے کہ اسے مٹانا آسان نہیں ہوتا اس لیے کسی برائی کو معمولی برائی نہیں خیال کرنا چاہیے۔ معمولی برائی ہی بڑھ کر بڑی برائی بن جاتی ہے، سیاست دانوں اور حکمرانوں کو اس سلسلے میں زیادہ احتیاط برتنی چاہئے کیونکہ ان کے ماتحت برائی میں ان کی تقلید زیادہ کرتے ہیں۔

سماجی بیماری جوا اور شراب

معاشرے کی ایک اور خرابی جس میں ساری قومیں بری طرح مبتلا ہیں وہ ہے جوابازی اور شراب نوشی، جو انگنت جسمانی روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کا جڑ، فتنہ فساد کی علت اور تمام برائیوں کی ماں ہے۔ اسلام کے پاکیزہ معاشرت اور پاکیزہ نظامِ حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہوسکتی ہے اس لیے اللہ نے اسے قطعی حرام کر دیا ہے۔

شراب کے بارے میں جب آیتِ حرمت نازل ہوئی تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادم کو بلایا اور حکم دیا کہ مدینے کے گلی کوچوں میں پھر کر با آواز بلند ان آیات کا اعلان کرو، جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب و کباب کی محفلیں آراستہ تھیں۔ تمام میخوار جمع تھے، جام و مینا کا دور چل رہا تھا۔ پیمانے گردش میں تھے، جوں ہی کان میں آیات حرمت کی آواز پہنچی، ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹک دیئے گئے۔ ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خود بخود الگ ہو گئے، پیالے توڑ ڈالے گئے۔ مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے نایاب انڈیل دی گئی۔ وہ چیز جو انھیں از حد عزیز تھی اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ قرآن کی اثر آفرینی حضور کی فیضِ تربیت کا یہ وہ بے مثال مظاہرہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔

آج شراب کے خلاف بڑی بڑی تقریریں کی جا رہی ہیں، لیکچر دیئے جا رہے ہیں، کتابیں اور مضامین لکھے جا رہے ہیں، شراب کی خامیاں اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج بیان کئے جا رہے ہیں کہ شراب بہت ہی بری چیز ہے، مگر میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اسلام کے آنے سے پہلے شراب کے خلاف کیوں نہیں بولا گیا۔ شراب، جوا، رشوت کے خلاف کیوں آواز نہیں اٹھائی گئی مگر جب اسلام نے آ کر ہر طرح سے نقصان اور انسانی زندگی پر پڑنے والے اثرات بیان کر دیئے تو تب سے دنیا والے بھی قائل ہو گئے کہ واقعی جوا شراب بہت ہی بری چیز ہے حالانکہ یہ تحقیق اسلام ہی کا پیش کیا ہوا ہے۔ افسوس کہ آج تیس چالیس فیصد مسلمان بھی اس فعل حرام میں مبتلا ہیں۔

امریکہ اپنے ہی گھر میں پریشان

آج شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ اور امریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور بھی

لرزہ براندام ہیں اور اس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کیلئے بڑی بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوششیں کررہے ہیں۔حکومت امریکہ نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زورشور سے جہاد جاری رکھا اور اس جدوجہد میں نشر واشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کئے۔اخبارات، رسالے، لکچرز، تصاویریں اور فلمیں بھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسر پیکار رہے۔اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر خرچ کئے۔پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔تین سو افراد کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔ پانچ لاکھ سے زائد لوگوں کو قید وبند کی سزائیں دیں۔ بھاری بھاری جرمانے وصول کئے گئے، لیکن یہ ساری چیزیں بیکار ثابت ہوئیں اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، آخرکار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی کو ۱۹۳۳ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا۔ اسی طرح برطانیہ میں جوا پر پابندی تھی اسے بھی ۱۹۶۱ء میں واپس لے لیا گیا اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے ساری کوششیں ناکام ہوجانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سند جواز مل گئی۔

حرمت کے وجوہات

رشوت، جوا اور شراب اسلام نے اس لیے حرام قرار دیا کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، سگے بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔اور دوسری وجہ یہ کہ انسان نماز اور یاد الٰہی سے غافل ہوجاتا ہے۔اس سے بڑھ کر بدنصیبی محرومی اور کیا ہوسکتی ہے کہ موذن اللہ کے حضور میں شرف باریابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہو اور کوئی اس وقت شراب کے نشے میں مدہوش پڑا ہو یا جوا کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہوا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی آئی اور گزر بھی گئی۔جب شراب اور جوا کی حرمت کی یہ وجہ

ہے کہ وہ یادِ خدا سے غفلت کا سبب بنتے ہیں تو شطرنج اور تاش نیز دیگر لہولعب کیوں کر حرام نہ ہوں گے؟ اسلام چونکہ صاف، ستھرا اور پاکیزہ مذہب ہے اس لیے وہ کردار کی بھی پاکیزگی کا آپ سے مطالبہ کرتا ہے اور پوری انسانی برادری کو قتل و غارت گری، چوری، ڈکیتی، جوا، زنا، شراب اور دیگر تمام برائیوں سے سختی کے ساتھ روکتا ہے۔

اب آپ کو جرائم پیشہ افراد کے متعلق اچھی طرح سے اسلام کا نقطۂ نظر معلوم ہو گیا ہوگا جب مجرموں کے متعلق اسلام کا نظریہ ہی الگ ہے تو اس کے انسداد (روک تھام) کیلئے اسلام کا طریقۂ کار (چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی کو کوڑے مارنا، قاتل سے قصاص لینا وغیرہ) اگر دیگر اقوام سے الگ تھلگ ہو تو اس میں قطعاً کوئی حیرت نہیں۔ مجرم کے ساتھ ایسی مہربانی اور شفقت جو دوسرے بے شمار لوگوں کو جرم کے ارتکاب پر جری کر دے اس سے تو وہ سختی بہتر ہے جو مجرم سے وہ ہمت چھین لے کہ وہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کر سکے اور دوسروں کے دلوں میں خوف و دہشت پیدا کر دے تا کہ کسی کے دل میں جرائم کے ارتکاب کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔

جہاد کا حکم اور اس کی اہمیت

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

جہاد کن حالات میں کیا جائے

اسلام امن وصلح اور سلامتی کا مذہب ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو فقط اس وقت جنگ (جہاد) کی اجازت دیتا ہے جب اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اور یہ اندیشہ ہو کہ اب اگر جنگ سے گریز کیا گیا تو باطل کا بے رحم ہاتھ اسلام کے شجر ثمر بار کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دے گا۔ ان حالات میں جہاد سے فرار صلح پسندی کی علامت نہیں بلکہ بزدلی اور نامردی ہے جسے اسلام اپنے فرزندوں کیلئے ہرگز گوارہ نہیں کرتا۔ قرآن میں اہل ایمان کیلئے بشارت ہے کہ تم ظالموں اور دشمنوں کی قوت اور وسائل سے ہراساں مت ہو اللہ تمہارا حافظ وناصر ہے وہی تمہاری مدد کرے گا۔

یہاں اس امر کی جانب مسلمانوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں خود معرکۂ حق و باطل میں شریک ہونا پڑے گا تب تم نصرت خداوندی کے مستحق ہو گے، ایسا نہیں کہ تم گھروں میں آرام سے بیٹھے رہو اور خود بخود ہی معرکے سر ہوتے رہیں اور حق کا بول بالا ہوتا رہے۔ یہ ناممکن ہے بلکہ حق کی سربلندی کیلئے تمہیں سر پر کفن باندھ کر میدانِ جہاد میں اترنا ہوگا۔ امن وامان برقرار رکھنے کیلئے ظالم کے ظلم کا قلع قمع کرنا ہوگا اور اگر تم ظالموں سے جہاد نہ کئے تو تمہارا جان ومال اور دین وایمان محفوظ نہیں ہوگا۔

جہاد کا حکم کب دیا گیا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر جب مشرکین مکہ کو

توحید کی دعوت دی تو ان کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی۔ مخالفت کا طوفان برپا ہو گیا وہی زبانیں جو صادق الامین کہتے کہتے نہیں تھکتی تھیں اب شاعر، کاہن، جادوگر جیسے ناروا الزام لگانے میں بے باک ہو گئیں۔ جو شخص اسلام قبول کرتا اس پر مظالم کی انتہا کر دی جاتی۔ صرف بلال ہی کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا نہیں جاتا۔ صرف عمار بن یاسر اور ان کی اہلیہ سمیہ ہی کو برچھے مار مار کر گھائل نہیں کیا جاتا تھا۔ کفار ومشرکین کے جور وجفا کے تیر فقط نادار اور بے یار ومددگار لوگوں ہی کے سینوں کو چھلنی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ معزز خاندانوں کے چشم وچراغ بھی اگر اسلام قبول کرتے تو وہ بھی ان کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان کا چچا کچے چمڑے میں کس کر باندھ دیتا اور چلچلاتی دھوپ میں پھینک دیتا۔ دھوپ، پسینہ اور تعفن کے مارے جان نکلنے لگتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ اتنا زدوکوب کیا گیا کہ آپ لہولہان ہو گئے اور پہروں بے ہوش پڑے رہے۔ جسمانی اذیت رسانیوں کے علاوہ بات بات پر مذاق، ہر حکم شرع پر آواز کسے جاتے۔ غرض کہ کفر کے ترکش جور وجفا میں جتنے تیر تھے سب چلائے گئے۔ باطل کے اسلحہ خانے میں جس جس قسم کا اسلحہ تھا سب ہی آزمایا گیا۔ ان دل آزاریوں، ستم شعاریوں اور مجروح دلوں پر نمک پاشیوں کا سلسلہ سال دو سال نہیں پورے تین سال تک شدت سے جاری رہا۔ اس کے باوجود مظلوم مسلمانوں کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ انھیں ان کے رب کا یہ حکم تھا کہ صبر وضبط سے کام لیں اور کسی طرح کی جوابی وانتقامی کاروائی نہ کریں۔ اعلانِ نبوت کے تیرھویں سال ہجرت کی اجازت ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام مکے سے ڈھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی میں جمع ہو گئے، لیکن کفار مکہ کی آتش غضب اب بھی سرد نہ ہوئی، یہاں بھی مسلمانوں کو چین کا سانس نہ لینے دیا۔ دس دس، بیس بیس کافروں کے ٹولے آتے اور یثرب (مدینہ طیبہ) کے چراگاہوں میں اگر کسی

مسلمان کے مویشی چرتے ہوتے تو انھیں پکڑ لے جاتے۔ اکاّ دکاّ مسلمان مل جاتا تو اسے بھی قتل کرنے سے باز نہ آتے۔ چودہ پندرہ سال تک صبر وضبط سے مظالم برداشت کرنے والوں کو آج اجازت دی جارہی ہے کہ اب تم اپنی مدافعت کیلئے تلوار اٹھاؤ۔ کیونکہ کفر کے ظلم کی انتہا ہوگئی ہے۔ باطل کی جفا کیشیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ اب اٹھواوران کافروں کو بتادو کہ اسلام کا چراغ اس لئے روشن نہیں ہوا کہ تم پھونکیں مار مار کراسے بجھادو۔حق کا پرچم اس لئے بلند نہیں ہوا کہ تم بڑھ کراسے گرادو۔ یہ چراغ اس وقت تک روشن رہے گا جب تک آسمان میں چاند وسورج کے چراغ جلتے رہیں گے۔ یہ پرچم اس وقت تک لہراتا رہے گا جب تک نظام کائنات موجود ہے۔

ان حالات کے پیشِ نظر اہل اسلام کو جہاد کی اجازت ملی۔ اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو کسی کا جان و مال اور دین وایمان محفوظ نہ ہوتا۔ اب اگرکوئی کوتاہ نظر اسلام کے جہاد کو دوسری قوموں کی خون ریزیوں اور قتل وغارت کا مترادف قرار دے تو یہ اس کی اپنی نادانی کی دلیل ہے۔ جہاد ناانصافی اور ظلم کے خلاف لڑنے کا نام ہے،فساد کا نام نہیں۔

سنت الٰھیہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب کوئی قوم یا ظالم ظلم وستم پر کمر بستہ ہوتا ہے تو اس کی ہلاکت انگیزیوں کی روک تھام کیلئے ایک اور قوم پیدا کردی جاتی ہے جو اس کے مظالم کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اللہ اگر اپنی حکمت وقدرت سے طاقت کا توازن یوں قائم نہ رکھے تو سرکش افراد اور ظالم قومیں آبادیوں کو کھنڈرات اور بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کردیں اور زمین کے کسی حصے میں انسانوں کو امن کا سانس لینا نصیب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ بڑا احسان ہے کہ ہر فرعون کی سرکوبی کیلئے وہ موسیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں جب بھی کسی قوم نے اپنی طاقت اور اکثریت کے نشے میں چور ہوکر کمزور اور مظلوم قوموں کو ستایا ہے تو ہر دور میں ظالموں کا انجام برا ہی

ہوا ہے۔ دنیا کے ظالم اور فرعونی حکمرانوں کو ان کے کئے کی سزا ضرور ملی ہے۔ ہند کے نازیوں کو تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

جہاد افضل ترین عبادت ہے

اسلام میں جہاد افضل ترین عبادت ہے اور اسلام جہاد کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب اصلاح اور افہام وتفہیم کے تمام راستے بند ہوجاتے ہیں۔ باالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ ظالموں کے خلاف اعلان جنگ کرنے سے قبل اسلام انہیں باقاعدہ الٹی میٹم دیتا ہے، گویا یہ الٹی میٹم اسلام کے طرف سے صلح کی آخری کوشش ہوتی ہے کیونکہ اسلام خون ریزی نہیں چاہتا بلکہ امن وامان چاہتا ہے لیکن اتنی جدوجہد کے باوجود اگر کوئی ظالم اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو پھر اسلام کا حکم ہے کہ تباہ کن فتنے کو ختم کرنے کیلئے ہتھیار اٹھاؤ اور ظالموں سے جہاد کرو اور اس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک کہ ظلم کا خاتمہ نہ ہوجائے۔

جہاد کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ تمام ارکان میں نماز سب سے افضل اور اہم ترین عبادت ہے مگر علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ نماز سے بھی اہم اور افضل جہاد ہے کیونکہ جہاد سے ملت اسلامیہ کی وجود کا بقا ہے۔ ایک اور بات ذہن نشین رہے کہ مذہب کو پھیلانے کیلئے تلوار کا اٹھانا ضروری نہیں ہوتا البتہ مذہب کی حفاظت کیلئے تلوار کا اٹھانا ضروری ہوتا ہے کیونکہ مذہب اپنے ماننے والوں کی حفاظت نہیں کرتا بلکہ مذہب کے ماننے والے خود اپنے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں۔ آج کمزور دل کے لوگ انسانوں سے اتنا ڈرنے لگے ہیں جیسے خدا سے ڈرنا چاہیے (بلکہ اس سے بھی زیادہ) وہ کہتے ہیں کہ اسلام نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ کیوں ہمیں اپنی موت کے مقررہ وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ ایسے لوگوں سے جواباً صرف اتنا ہی عرض ہے کہ اس دنیا میں کسی کی ہمیشگی کی زندگی مقرر نہیں، موت کے ڈر سے تم جہاد کر ویا

نہ کرو موت برحق ہے ایک نہ ایک دن آئے گی اور تمہاری زندگی کا چراغ بجھا کر چلی جائے گی۔موت لکھی نہ ہوتو موت زندگی کی خود حفاظت کرتی ہے اور جب موت مقدر ہو تو زندگی دوڑتی ہوئی موت سے لپٹ جاتی ہے۔ جہاد کو گراں سمجھنے والو! اور اس سے جی چرانے والو! کیا تم گمان کر رہے ہو کہ تمہارا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہوگا اور آزمائش سے تمہارے اس دعویٰ ایمان کو پرکھا نہیں جائے گا؟ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود فریبی میں مبتلا ہو۔خوب کان کھول کر سن لو! عمل کی کسوٹی پر تمہارے ظاہر و باطن کو پرکھا جائے گا۔ جب جہاد کے نقارے پر چوٹ پڑے گی تو تمہیں سر بکف میدان جہاد میں حاضر ہونا پڑے گا۔ اسلام کے مفاد کیلئے اپنے سابقہ تعلقات کو قربان کرنا ہوگا۔ اللہ، رسول اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اپنے دلی تعلقات کو استوار کرنا ہوگا۔ یاد رکھو! ایمان لانے کے بعد بھی اگر تمہارے دلوں میں جذبۂ جہاد نہیں تو تم ایک مردہ قوم ہو اور تمہارا ایمان مکمل نہیں۔

مدینہ کے کمسن بچوں کا جذبۂ جہاد

اگر آپ اپنی تواریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ اس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا کہ وہ اپنے ساتھ اپنے بچوں کو بھی میدان جنگ میں لے جایا کرتے تھے۔ جنگ بدر جو اسلام اور کفر کی اولین معرکہ ہے اس معرکے میں شرکت کیلئے مدینہ کے کمسن بچوں کا جذبۂ جہاد تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

دربار مصطفےٰ ہے صحابہ پروانوں کی طرح جانثاری کیلئے حاضر ہو رہے ہیں۔ مدینے میں جسے دیکھو ہر کوئی جہاد کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ معاذ اور معوذ (رضی اللہ عنہما) جذبۂ جہاد میں مچل رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحفظ اسلام کی ذمہ داری مجھے بھی سونپی جائے۔ سرکار شرکت جہاد کی اجازت مرحمت

فرمادیں۔فرمایا ابھی تم کمسن ہو اس لئے ضابطۂ جہاد تمہیں شرکت کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سن کر بچہ آگے بڑھا اور ایڑیوں کے بل اچک کر پنجوں پر کھڑا ہو گیا۔عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے اب میں بڑا ہو گیا ہوں۔اب میں مجاہدین اسلام کی صف میں شامل ہو سکتا ہوں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ جوشِ جہاد دیکھا تو اذن جہاد عطا فرمادیا۔دوسرے بھائی کے چہرے پر پژمردگی چھا گئی کہ ان کے ایک بھائی کو اذن جہاد مل چکا تھا نہ جانے ان کی تمنا پوری ہوگی یا نہیں، یہ سوچ کر چھوٹے شہزادے آگے بڑھے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ میں عمر میں چھوٹا ہوں مگر طاقت وقوت میں ان سے کم نہیں۔سرکار اگر یقین نہ ہو تو میرا ان سے مقابلہ کرادیا جائے۔اگر میں کشتی میں ہار گیا تو واپس چلا جاؤں گا اور اگر جیت گیا تو کرم کی بھیک مانگوں گا۔شاید میری آرزو پوری ہو جائے دیکھتے ہی دیکھتے دونوں بھائیوں میں کشتی ہونے لگی۔چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کے کان میں کہا۔ بھائی ہم دونوں ایک ہی مقصد کیلئے آئے تھے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔اب اگر تم چاہو تو مجھے بھی کامیابی حاصل ہو جائے۔ بھائی! آپ مجھ سے بڑے ہیں بہادر ہیں، طاقتور ہیں، میں آپ سے پنجہ نہیں لڑا سکتا مگر آج آپ نیچے ہو جائیں، اپنی شکست تسلیم کرلیں۔شاید اس طور پر مجھے بھی اذن جہاد مل جائے اتنا سننا تھا کہ بڑے شہزادے نیچے گرے اور چھوٹے اوپر سوار ہو گئے یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور دونوں شہزادوں کو اذن جہاد عطا فرمادیا۔اگر میں آپ سے پوچھوں کہ ان بچوں میں جہاد کا جذبہ کہاں سے آیا تو جواب ہوگا کہ والدین نے دیا جب یہ بچے اپنی ماں کی گود میں پروان چڑھ رہے تھے تو انھوں نے باپ کو غازیانہ لباس میں دیکھا ماں کو صوم وصلوٰۃ کا پابند پایا، وہیں سے انھوں نے ماں باپ کی سیرت سے سبق لے لیا کہ بڑے ہو کر مجھے بھی غازیانہ لباس پہننا ہوگا۔اسلام کے عظمت کی پاسبانی کرنی ہو

گی۔ظالم اور فتنے کوختم کرنے کیلئے ہتھیار اٹھانا ہوگا۔ یہ تمام چیزیں انھیں ورثے میں والدین سے ملی تھیں۔اور آج ہمارے بچے ہماری گود میں پرورش پاتے ہیں تو بچپن سے ماں باپ کو بے نمازی، دین سے غافل اور اسلام سے بیگانہ پاتے ہیں تو ہمارے اس خدابیزاری سے وہ بچے بھی وہی سبق سیکھتے ہیں۔ایک وہ ماں باپ تھے جو اپنے بچوں کو اسلامی تربیت اور جہاد کیلئے ٹریننگ دیتے تھے اور ایک ہم ہیں کہ ہماری گود میں پرورش پانے والی اولاد بدعمل، بدکردار اور بزدل بنتی جارہی ہے۔کل تک جن ہاتھوں میں اسلامی سرحدوں کی تحفظ کیلئے گھوڑے کا لگام اور تلوار دکھائی دیتا تھا آج انہیں ہاتھوں میں تاش کے پتے اور پتنگ کی ڈوری دکھائی دے رہی ہے، کتنا بدل گیا ہے آج کا یہ مسلمان۔

صحابہ کرام اپنے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو میدان جنگ میں اس لیے لے جاتے تھے تاکہ وہ بچپن ہی سے جنگی ماحول میں پرورش پا کر جانباز اور بہادر سپاہی بن سکیں۔یہی وہ جذبہ جہاد تھا جس نے اسلام میں محمود غزنوی، محمد بن قاسم، خالد وطارق اور صلاح الدین ایوبی جیسے سرفروش مجاہد پیدا کئے جنھوں نے دنیا کی بڑی بڑی ظالم حکومتوں کا صفایا کر کے امن وامان کا پرچم لہرایا اور جب جذبۂ جہاد ہمارے سینوں سے نکل گیا اور دلوں میں دنیا کی لالچ نے جگہ لے لی تو ہم ذلیل وخوار ہوگئے۔وہ ممالک اور علاقے جن پر کبھی سبز ہلالی پرچم لہراتا تھا وہاں آج اہل کفر کی حکمرانی ہے۔

اگر دشمن کی تعداد زیادہ ہوتو...

قرآن میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ظالموں اور امن کے دشمنوں سے جب نبرد آزما ہو تو شجاعت، پامردی اور بہادری سے ان کے سامنے ڈٹے رہو۔اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت تمہارے ہم رکاب ہوگی، تمہیں اس بات کی ہرگز ہرگز

اجازت نہیں کہ تم حق کے علمبردار ہو کر باطل کے پرستاروں کے سامنے نامردی اور بزدلی کا مظاہرہ کرو اور میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہو۔ یاد رکھو! میدان جنگ سے فرار ہونا یہ بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے، لیکن یہ گناہ کبیرہ اس وقت تک ہے جب دشمن کی تعداد دوگنا سے زائد نہ ہو اور اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر ثابت قدم رہنا جرأت وہمت کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا اور ایک نیا طریقۂ جنگ اختیار کرنا یعنی دشمن کے ٹھکانوں پر شبخون مارنا، اس کی کمک کو روک دینا، اس کی رسد کو تباہ وبرباد کر دینا، دشمن پر دہشت بن کر چھا جانا، اسلام کے جنگی مشقوں اور چالوں میں سے ایک چال ہے، جسے عرف عام میں گوریلا چھاپہ مار جنگ کہا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ فرزندان اسلام خالد بن ولید، طارق بن زیاد، اور غازی صلاح الدین ایوبی کا ایجاد کردہ طریقۂ جنگ ہے آج جبکہ پوری دنیا مسلمانوں کیلئے میدان جنگ بن چکی ہے۔ مسلمانوں کو اس جنگی اصول پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

اسلام پر خون ریزی کا الزام

آج اسلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ یہ مذہب جنگ بازوں کا مذہب ہے اور یہ تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے، لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی مذہب اور تحریک کسی زمانے میں بھی طاقت اور تلوار کے بل پر فروغ حاصل نہیں کرسکی ہے۔ دین کے معاملے میں تو جبر واکراہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق دل سے ہے اور دل جبر واکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ نیز اسلام بحیثیت دین انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی روحانی اصلاح ہو جائے گی؟ اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں

اسلام کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسلام بزور تلوار یا طاقت پھیلا ہوتا تو وہ تلوار ہی سے فنا بھی ہوجاتا اور اب تک اس پر تلواروں سے جتنے بھی حملے ہوئے ہیں وہ سب اسے فنا کردینے میں بالکل کامیاب جاتے، مگر ایسا نہیں ہوا اسلام آج بھی اسی شان کے ساتھ جلوہ گر ہے اور صبح قیامت تک اسی طرح درخشاں رہے گا۔

اب آپ عملی پہلو پر نگاہ ڈالئے چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی آج ہندو پاک کے میدانوں میں مراکش کے صحراؤں میں، ہمالہ کے برفیلی چوٹیوں اور بحر اوقیانوس (اٹلانٹک ساگر) کے دورافتادہ جزیروں میں یورپ کے ہنگامہ زار شہروں میں اور ایشیا کے بیشتر مما لک میں ہر روز پانچ دفعہ اذان کی دلکش آواز گونج رہی ہے کیا جس دین کو ظلم وستم کے خوف سے قبول کیا گیا ہو اس سے لوگوں کی عقیدت کا یہی عالم ہوا کرتا ہے، بلکہ یہاں تو اسلام کے متوالوں کو ستایا گیا اور آج بھی ستایا جارہا ہے ان پر مظالم ڈھائے جارہے ہیں۔عظمت اسلام کے پاسبانوں کو تختۂ دار پر سرراہ لٹکایا گیا۔طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں دی گئیں مگر اللہ کے بندوں کو جو عقیدت اپنے رب سے تھی، جو عشق اپنے پیارے رسول سے تھا، جو شیفتگی اپنے دین برحق سے تھی، اس میں یک سرمو کمی نہ ہوئی۔ یہاں ایک چیز اور ذہن نشین رہے کہ اسلام جس طرح یہ گوارہ نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر ظلم وتشدد کر کے انھیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کے دامن میں پناہ لینا چاہتے ہوں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے اور اگر کہیں ایسی صورت حال پیدا ہوجائے تو اسلام اس وقت اپنے ماننے والوں کو جہاد کا اذنِ عام دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوتوں کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریۂ جہاد ہے۔

آج اسلام کے دشمن جہاد کو زبردستی مسلمان بنانے سے تعبیر کرتے ہیں اور اس

پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ایسے لوگ کان کھول کر سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کیلئے اپنے چاہنے والوں کو دشمنانِ دین وایمان کے جور وستم کا تختۂ مشق بننے کی اجازت نہیں دیتا ہے بلکہ اپنے ماننے والوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دیتا ہے۔کہنے کو انسان جو جی میں آئے کہے، لکھنے کو جو دل میں آئے لکھ دے لیکن اس طرح تو حقیقت نہیں بدل جاتی۔واقعات تو مسخ نہیں ہوتے۔تاریخ کے صفحات اور قرآن کی آیات ان کے سارے افسانوں کی تردید کیلئے کافی ہیں۔کوئی قوم اگر طاقت کے نشے میں مست ہو۔اس کے پاس مسائل کے بہتات ہوں اور اس کا مقابل کمزور ہو نیز دین واخلاق کا کوئی ضابطہ بھی اس کو روکنے والا نہ ہو تو مانا جاسکتا ہے کہ ایسی قوم جنگ کا اعلان کردے تاکہ کمزور دشمن کو نیست ونابود کرکے اپنی حکومت کو وسعت دے، اپنی خدمت گاروں کی صفوں میں اضافہ کرے اور ان کی دولت وثروت کو ہڑپ کرلے۔ایسی تو بہت سی مثالیں ہیں لیکن تاریخ ہمیں ایسی ایک بھی مثال نہیں بتاسکتی ہے کہ کسی کمزور قوم نے شوقیہ اپنے سے طاقتور قوم کو جنگ کیلئے للکارا ہو۔

اب خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ مستشرقین (یورپ کے تعصب پرست موّرخین) کا یہ خیال کہاں تک درست ہے کہ جنگ مسلمانوں کا مشغلہ تھا اور وہ ہر وقت تلواریں سونتے پرامن بستیوں کو برباد کرنے اور لوٹنے کیلئے آدھمکتے تھے یا وہ زبردستی لوگوں کو تلوار دکھا کر مسلمان بناتے تھے۔یہ اسلامی جہاد کی غلط تصویریں ہیں جسے امریکہ اور مغرب کے مکار سیاست دانوں نے دنیا کے سامنے خوفناک شکل میں پیش کیا ہے چونکہ اسلام سے غیر مسلم مما لک بالخصوص امریکہ اور یورپ کو چڑھ ہے اس لئے وہ اسلام کو بدنام کرنے کیلئے کچھ ایسا ہی غلط پروپیگنڈے کرتے ہی رہتے ہیں۔

جہاد کا مقصد اور اس کے شرائط

اسلامی جہاد کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ان تین چیزوں کو خوب ذہن نشین کرلیا جائے (۱) جہاد کس مقصد کیلئے کیا جائے (۲) کس کے ساتھ کیا جائے (۳) اور کن شرائط وقیود کے ساتھ اسلام نے جہاد کی اجازت دی ہے۔قرآن میں ان تینوں امور کی وضاحت کردی گئی ہے۔مقصد جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ جہاد حق کی سربلندی کیلئے ہو،لوٹ مار،تجارتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت کیلئے نہ ہو اور جہاد صرف ان لوگوں کے ساتھ ہو جو تمہارے ساتھ جنگ کررہے ہوں، جو تم پر یلغار کرنے کیلئے پر تول رہے ہیں اور جہاد اس شرط کے ساتھ ہو کہ اس وقت بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہونے پائے کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ جہاد میں عورتوں ، معصوم بچوں ، اپاہجوں، بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں اور مذہبی پیشواؤں پر ہاتھ اٹھانے سے اسلام نے سختی سے منع فرمایا ہے۔(بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں یا مجاہدین اسلام کے خلاف کسی سازش میں حصہ نہ لئے ہوں)

تاریخ الخلفاء میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ایک سپہ سالار (فوجی کمانڈر) یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کیلئے پاپیادہ ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت آپ نے فرمایا۔اے ابن ابی سفیان! پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا،عورتوں ، بوڑھوں، بچوں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔فصل والے کھیتوں اور دودھ دینے والے جانوروں کو ہلاک نہ کرنا یہی میری نصیحت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی۔

ڈاکٹر برناڈ شا کا اسلام کے جنگی اصول پر تبصرہ

ڈاکٹر برناڈ شا اسلام کے جنگی اصول پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اسلام کے جنگی اصول دنیا میں سب سے بہترین اور نرالے ہیں کیونکہ ان کے تحت عورتوں، بچوں، بوڑھوں، کمزوروں اور ناتواں لوگوں کی حفاظت کی پوری پوری گارنٹی حاصل ہے۔ اسلام تبلیغ (اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا) کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والوں کے خلاف اور اپنی جان و مال عزت وآبرو کی حفاظت کیلئے جنگ کا حکم دیتا ہے لیکن کسی قوم کو تلوار یا طاقت کے ذریعہ اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا کیونکہ اسلام میں جبر نہیں۔''

یہ مذکورہ خیالات اور تبصرہ اسلام کے ماننے والوں کا نہیں بلکہ اس شخص کا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ آج جو لوگ اسلام کے نظریۂ جہاد پر ہر طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، میں انھیں سے پوچھنا چاہتا ہوں، وہی انصاف سے بتائیں کہ کیا دنیا میں کوئی ایسی قوم گذری ہے یا آج کے مہذب دنیا میں کوئی ایسی قوم موجود ہے جس کے جنگی اصول میں عدل وانصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہو۔ آج تو جب جنگ شروع ہوتی ہے تو پرامن شہروں اور آباد بستیوں کو ایٹم بموں سے اڑا کر رکھ دیا جاتا ہے، عورتوں معصوم بچوں، بوڑھوں، بیماروں غرضیکہ کسی سے بھی درگذر نہیں کی جاتی۔ اسپتالوں، درسگاہوں اور عبادت خانوں تک کا احترام پسِ پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ میں اپنے اس دعوے کے ثبوت میں عراق کو پیش کرنا چاہتا ہوں جس پر ۱۷ جنوری ۱۹۹۱ء میں تاریخ کی سب سے زبردست بمباری کی گئی۔ یہ بمباری بیالیس دن تک بتیس ممالک کی مشترکہ فوجی امداد سے امریکہ کی قیادت میں عراق اور عراق کے نہتے (مگر جیالے اور خوددار) شہریوں پر ہوتی رہی۔

ہیروشیما اور ناگاساکی

آج یہ ایٹمی دنیا میدانِ جنگ میں اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا ظالمانہ سلوک کرتی ہے اس کا اندازہ آپ ہیروشیما اور ناگاساکی سے لگا سکتے ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں جب امریکہ نے جاپان کے دو بڑے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم گرائے تو ان بموں کی

تباہ کاریوں سے لاکھوں بے قصور انسان جس میں عورتیں بچے، کمزور، بوڑھے اور نہتے شہری شامل ہیں سب کے سب موت کے گود میں ہمیشہ کیلئے سو گئے اور جو باقی بچے بعد میں وہ وبائی بیماریوں کا شکار ہوئے۔ وہاں کی ماحولیات اور فضاؤں پر ان بموں کا یہ اثر ہوا کہ آنے والی نسلیں آج تک مفلوج ہو کر رہ گئیں۔ جاپان پر قبضہ کرنے کے بعد جنرل میکارتھر کی سرپرستی میں لاتعداد عیسائی مشنریز وہاں پہنچ گئیں جنھوں نے بے شمار بھوکے پیاسے غریب جاپانیوں کو روپے پیسے دے کر عیسائی بنالیا۔ حالیہ مثال اسرائیل کی ہے جس نے فلسطین اور غزہ پر بمباری کر کے لاکھوں فلسطینی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔

اخلاق سوز اور انسانیت سے گری ہوئی یہ تمام حرکتیں اس قوم کی ہیں جو اپنے آپ کو بہت تہذیب یافتہ سمجھتی ہے۔ مگر اس کے برعکس اسلام کی پوری تاریخ سے ایک بھی ایسا واقعہ کوئی مائی کا لعل نہیں پیش کر سکتا جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلمانوں نے معصوم بچوں، عورتوں، بوڑھوں کمزوروں اور نہتے شہریوں پر بھی ہاتھ اٹھایا ہو اور انہوں نے کسی غیر مسلم کو لالچ دے کر یا بزور تلوار داخل اسلام کیا ہو۔ میرا چیلنج ہے تاریخ کے حوالے سے ایک بھی ایسا واقعہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں جانی نقصانات کی لسٹ

ترقی یافتہ دنیا کے سیاہ کارناموں کو اگر دیکھا جائے تو اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ترقی یافتہ دنیا نے حصول اقتدار کے خاطر انسانیت کو بھوک پیاس، غربت وافلاس، ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں دیا ہے۔ ہم یہاں ''اسلام اور امن عالم'' (مصنف مولانا بدر القادری، ہالینڈ) کے حوالے سے پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ہونے والی جانی نقصانات کی لسٹ قارئین کے خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ پڑھئے اور اسلامی جہاد کو ظلم سے تعبیر کرنے والوں کا حقیقی چہرہ دیکھئے۔

پہلی جنگ عظیم میں

۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء

نام ملک	تعداد لفظوں میں	تعداد مقتولین و مہلوکین ہندسوں میں
روس	سترہ لاکھ	۱۷۰۰۰۰۰
جرمنی	سولہ لاکھ	۱۶۰۰۰۰۰
فرانس	تیرہ لاکھ ستر ہزار	۱۳۷۰۰۰۰
اٹلی	چار لاکھ ساٹھ ہزار	۴۶۰۰۰۰
آسٹریا	آٹھ لاکھ	۸۰۰۰۰۰
برطانیہ	سات لاکھ	۷۰۰۰۰۰
ترکی	دو لاکھ پچاس ہزار	۲۵۰۰۰۰
بلجیم	ایک لاکھ دو ہزار	۱۰۲۰۰۰
بلغاریہ	ایک لاکھ	۱۰۰۰۰۰
رومانیہ	ایک لاکھ	۱۰۰۰۰۰
سرویا ماٹینگری	ایک لاکھ	۱۰۰۰۰۰
امریکہ	پچاس ہزار	۵۰۰۰۰

دوسری جنگ عظیم

۱۹۳۹ء-۱۹۴۵ء

نام ملک	تعداد لفظوں میں	تعداد مقتولین ومہلوکین ہندسوں میں
روس	دو کروڑ دس لاکھ	۲۱۰۰۰۰۰۰
جرمنی	سولہ لاکھ	۱۶۰۰۰۰۰
پولینڈ	نو لاکھ	۹۰۰۰۰۰
چین	تیس لاکھ	۳۰۰۰۰۰۰
جاپان	ستائس/پچاس لاکھ	۲۷۰۰۰۰۰/۵۰
آسٹریا	سات لاکھ	۷۰۰۰۰۰
رومانیہ	سات لاکھ	۷۰۰۰۰۰
فن لینڈ	ایک لاکھ تراسی ہزار	۱۸۳۰۰۰
چیکوسلویکیہ	ساٹھ ہزار	۶۰۰۰۰
سلویکہ	تیس لاکھ پچاس ہزار	۳۰۵۰۰۰
امریکہ	دس لاکھ ستر ہزار	۱۰۷۰۰۰۰
برطانیہ	چودہ لاکھ تیس ہزار	۱۴۳۰۰۰۰
فرانس	دس لاکھ	۱۰۰۰۰۰۰
اٹلی	گیارہ لاکھ	۱۱۰۰۰۰۰
یوگوسلاویہ	سولہ لاکھ پچاسی ہزار	۱۶۸۵۰۰۰
ہنگری	چھ لاکھ	۶۰۰۰۰۰

ہالینڈ	دولاکھ پچہتر ہزار	۲۷۵۰۰۰
بلجیم	ساٹھ ہزار	۶۰۰۰۰
فلپائن	تیس ہزار	۳۰۰۰۰

اہل کلیسا کی بربریت

اسپین میں اہل کلیسا نے جو مذہبی عدالتیں قائم کی تھیں ان کے قیام کا اصل مقصد مسلمانوں کی بیخ کنی تھی۔ان نام نہاد عدالتوں سے بے قصور مسلمانوں کو تختۂ دار پر لٹکا کر سزائے موت دی گئی۔ان کے ناخنوں کو کھینچ کر گوشت سے جدا کیا گیا۔آنکھیں نکالی گئیں، پلّو اور شکنجوں سے ان کی ٹانگیں توڑ دی جاتی تھیں۔ان کی انگلیوں کو اس قدر سخت ڈورے سے باندھ دیا جاتا تھا کہ ناخنوں کے نیچے خون پھوٹ کر بہنے لگتا تھا۔آخر میں انھیں لوہے کے ایک بت میں جو اندر سے کھوکھلا ہوتا اور لوہے کی کیلیں اس میں لگی ہوتیں اس میں قید کر دیا جاتا۔ پھر انھیں مذہبی عدالتوں سے (جنہیں عدالت کہنا درست نہیں) یہ حکم جاری کیا جاتا تھا کہ اسپین میں جو مسلمان رہے گا اس کو قتل کر دیا جائے گا اور جو شخص عیسائی مذہب قبول کرلے گا اس کی جان بخشی جائے گی۔ اسپین کی مذہبی عدالتوں کے اس اعلان کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسپین کے ہزاروں نومسلم جو راضی خوشی سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے وہ اپنی جان کے خوف سے اسلام سے پھر گئے اور جو اسلام پر قائم رہے وہ مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کر دیئے گئے۔ بہت ہی کم ایسے تھے جو اپنی جان و ایمان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ پھر جب عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہوا اور وہ قتل کرتے کرتے جب تھک گئے تو انھیں دھوکہ دے کر افریقہ پہنچایا جارہا ہے۔اس بہانے جہاز میں لاکھوں مسلمانوں کو سوار کر کے بٹھا دیا گیا اور بیچ سمندر میں لے جا کر جہازوں کو ڈبو دیا گیا۔

اسپین سے مسلمانوں کا پورے طور سے صفایا کرنے کے بعد اسپین کی مذہبی عدالتوں نے دوسرا کام فوراً یہ کیا کہ وہ لوگ جو اسلامی تعلیمات کے اثر سے رومن کیتھولک عیسائیوں کے مخالف تھے اور ان سے پادریوں کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ کسی وقت مسلمان ہوسکتے ہیں ان کی تادیب کیلئے علٰیحدہ طور پر خاص مذہبی عدالتیں قائم کیں جو اسلام قبول کرنے کی جرم میں سزائے موت دیتی تھیں۔ ان عدالتوں کا دائرہ صرف اسپین ہی تک محدود نہیں تھا بلکہ پرتگال، اٹلی اور جرمنی تک پھیل گیا تھا۔حتی کہ اٹھارہویں صدی عیسوی تک عیسائی مذہب کے تحفظ کے نام پر لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

ان مذہبی عدالتوں نے ایسے ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر دردناک سزائیں دینا شروع کیں، جن پر رومن کیتھولک کے عقائد کے خلاف چلنے کا ذرا بھی شبہ ہوتا۔ چنانچہ ۱۴۸۱ء سے ۱۸۰۸ء تک ان عدالتوں کے قوانین کی رو سے بتیس ہزار تین سو بیاسی آدمی زندہ بلا دیئے گئے۔ سترہ ہزار چھ سو نوے آدمیوں کو بت بنا کر جلا دیا گیا اور تقریباً تین لاکھ آدمیوں کو عمر قید کی سزائیں دی گئیں۔ یہ تفصیلی رپوٹ صرف اسپین کے عدالت کی ہے۔ دوسرے ممالک کے عدالتوں کے بارے میں اسی طرح قیاس کر لیجئے کہ ان مذہبی عدالتوں نے عیسائیت کے تحفظ کیلئے کس قدر خون بہایا ہوگا۔

تاریخ کے حوالوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان عدالتوں نے مسلمانوں کو قتل کرنے اور انھیں سزائیں دینے کے مختلف طریقے اپنا رکھے تھے جو بہت ہی وحشیانہ قسم کے تھے۔ انھیں مجوزہ طریقوں پر سزائیں دی جاتی تھیں۔ سزائے موت دینے سے پہلے انہیں (مسلمانوں کو) بھاری اور وزنی زنجیروں میں جکڑ کر ایک مجسٹریٹ کے پاس لے جاتے جو ان سے فقط اتنا ہی سوال کرتا کہ تم کس مذہب پر مرنے کیلئے تیار ہو۔ اگر وہ کہتے کہ دین اسلام پر تو انھیں اسی وقت زندہ جلا دیا جاتا۔ زندہ جلانے

والے قیدیوں کو ان کی چتا کے اوپر کے حصے سے نہایت مضبوطی کی ساتھ باندھ دیا جاتا۔ چتائیں بہت اونچی رکھی جاتیں جن پر مجرموں (مسلمانوں) کو زینے کے ذریعے چڑھا کر بٹھا دیا جاتا۔ جب یہ لوگ پادریوں کے بار بار کہنے پر اسلام سے پھرنے کیلئے تیار نہ ہوتے تو لمبے لمبے بانسوں پر مشعال لگائی جاتی اور ان کے ذریعہ بدقسمت قیدیوں کی داڑھیاں اور چہرے جھلسائے جاتے اور اس دوران تماشائی عیسائی مذہب کے نعرے لگاتے اور مجرموں کو سزا پاتے دیکھ کر خوشی سے ناچتے۔ اس کے بعد ان چتاؤں کے نیچے ہلکی ہلکی آگ لگائی جاتی اور ان پر مجرموں کو بٹھا دیا جاتا جس سے مجرم یک بیک ہلاک ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ جلتے رہتے اور اس طرح وہ بڑے ہی دردناک تکلیف کے ساتھ چلّا چلّا کر جان دیتے تھے، ان جسمانی سزاؤں کے دینے کا اصل مقصد صرف مسلمانوں کو ان کے دین وایمان سے منحرف کرنا تھا۔

اسپین میں مسلمانوں پر جو تشدد اور مظالم ڈھائے گئے وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ البتہ اتنا ضرور قابل تحریر ہے کہ اسی اسپین کو جب اسلام کے نامور فرزند طارق بن زیاد نے ۷۱۱ء میں فتح کیا تھا تو مسلمانوں کی طرح عیسائیوں کو برابری کے حقوق دیئے تھے۔ ان کے جان و مال عزت وآبرو کی پوری پوری گارنٹی دی تھی۔ ان کے مذہبی رسم و رواج میں کبھی مداخلت نہیں کی اور نہ ہی کسی کو اسلام لانے پر مجبور کیا لیکن اس کے بعد جب مسلمانوں میں پھوٹ وانتشار ہو گیا تو وہیں سے ان کے انحطاط اور زوال کا دور شروع ہو گیا اور اسپین کی سرزمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی۔

میں اپنی قوم کے نوجوانوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ زوال اسپین کی تاریخ کا مطالعہ کریں تاکہ پتہ چل جائے کہ ہماری وہ کون سی کمزوری تھی جس کی بنا پر دشمن ہمارے اوپر غالب آ گیا۔

مسجد عمر میں مسلمانوں کا قتل عام

عیسائیوں نے جب شہر بیت المقدس پر قبضہ کیا تو انھوں نے وہاں کی مسلم آبادی کو ہر طرح سے ظلم وستم کا نشانہ بنایا۔ ان کے بہن، بیٹیوں کی چادر عصمت تارتار کیا جو دوسروں کے عصمت وآبرو کے محافظ بن کر آئے تھے۔ مسجد عمر میں عیسائیوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ۸۰ ر ہزار مسلمان پناہ لینے کیلئے چھپ گئے، جن میں بوڑھوں، معصوم بچوں اور عورتوں کی تعداد زیادہ تھی مگر ظالموں نے ان پر بھی ترس نہیں کھایا اور مسجد میں گھس کر سب کو تہہ تیغ کردیا لیکن جب غازی صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں اسی شہر بیت المقدس کو فتح کیا تو انھوں نے ظالموں سے کوئی بدلا نہیں لیا، حالانکہ بدلہ لینے کا انھیں پورا پورا حق حاصل تھا مگر مسلمانوں نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا جس کی مثال تاریخ اسلام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مزید وحشت و بربریت کا نمونہ دیکھنا ہو تو کوریا، ویتنام غزہ فلسطین اور بوسنیا کے حالات، واقعات کا جائزہ لیجیے۔

انقلاب روس: اکتوبر ۱۹۱۷ء کو جو انقلاب روس میں آیا تھا اس نے ہزاروں سرمایہ داروں (کمیونسٹوں) کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ لینن کے موت کے بعد جب اسٹالن وہاں کا سربراہ ہوا تو اس نے لینن کے تمام وزراء اور حامیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ انقلاب روس کی تاریخ بتاتی ہے کہ مزدور یونین کے اسی (۸۰) فیصد سکریٹریوں کو تہہ تیغ کردیا، دستور ساز کمیٹی کے ۲۷ ر میں سے ۱۵ ر ممبران کو مروا ڈالا، کمیونسٹ پارٹی کے ۵۳ ر میں سے ۴۳ ر سکریٹریوں کو موت کے نیند سلا دیا۔ سرخ فوج کے ۱۵ ر میں سے تین مارشلوں کو قتل کردیا۔

روس کی مجلسِ دفاع کے ۸۰ ر میں سے ۷۰ ر ممبران کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ سرخ فوج کے ساٹھ کمانڈروں کو اور تیس ہزار سرکاری ملازمین کو ہمیشہ کیلئے موت کی

نیند سلا دیا۔ یہ ہے انقلاب روس کی ایک ہلکی سی جھلک۔ اب آپ اسلام کا بر پا کیا ہوا انقلاب ملاحظہ فرمایئے۔ احترام انسانیت کی ایسی روشن مثال آج تک دنیا نے کہیں نہیں دیکھی ہے اور تا قیامت دیکھے گی بھی نہیں۔

فتح مکہ: یہ بات ان دنوں کی ہے جن دنوں مکہ فتح ہو چکا تھا اور اسلام کے بدترین دشمن بے بس ہوکر ایک قیدی کی حیثیت سے پیغمبر انقلاب کے سامنے کھڑے تھے، رسول رحمت کی جگہ پر اگر کوئی دوسرا فاتح فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوا ہوتا تو مکہ میں خون کی ندیاں بہہ جاتیں، مگر رسول رحمت نے اس موقع پر کوئی آرڈیننس جاری نہیں کیا۔ مسجد حرام کے وسیع وعریض صحن میں پابازنجیر وہ لوگ کھڑے تھے جنھوں نے اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی بڑی بڑی قسمیں کھائی تھیں۔ وہ لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے مکہ کی سرزمین پر مسلمانوں کو تڑپا تڑپا کر شہید کیا تھا، وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ آج یہ تمام دشمنان اسلام رسول رحمت کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ ادھر دس ہزار تلواریں پیغمبر انقلاب کے ایک اشارے کی منتظر تھیں۔ اس دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا جوش غضب ابال کھا رہا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ اگر حکم سرکار ہوتو ہم ان مجرموں کا سر قلم کر دیں۔ اس وقت پیغمبر رحمت نے سب کی طرف ایک نظر دیکھا اور پیغمبرانہ جاہ وجلال کے ساتھ دریافت کیا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اب میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں یہ سن کر اہل مکہ پر سناٹا چھا گیا۔ ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ ابھی حضور قتل عام کا حکم دے دیں گے، لیکن رسولِ کائنات نے ایسا نہیں کیا بلکہ دریائے رحمت وکرم آپ کا جوش میں آیا اور فتح مکہ کا دن یوم انتقام کے بجائے یوم رحمت بن گیا۔ اس وقت آپ نے تمام قیدیوں سے مخاطب ہوکر ایک تاریخی خطبہ دیا۔

"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ"

آج کے دن تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ آج میں تمہارے ساتھ

وہی سلوک کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔اے اہل مکہ! جاؤتم سب کے سب آزاد ہو۔اور سنو! تمہیں اپنے ماضی پر بھی شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔میں تمہاری ساری خطاؤں کو معاف کرنے کیلئے آیا ہوں۔جاؤ اور ابوجہلیوں سے کہہ دو کہ آمنہ کا لعل تمہیں جنگ وقتال کی بھٹی میں جھونکنے نہیں آیا بلکہ عبداللہ کا یتیم تمہیں اپنی رحمت وشفقت کی چادر میں لپٹنے کیلئے آیا ہے۔جاؤ مکہ کی ماؤں سے کہہ دو کہ تمہاری ممتا نہیں لوٹی جائے گی،مکہ کے بہنوں سے کہہ دو کہ تمہارے سروں سے سہاگ کی چادریں نہیں چھینی جائیں گی۔مکہ کے بچوں سے کہہ دو تمہیں یتیم نہیں بنایا جائے گا ''الیوم یوم الرحمت'' آج کا دن رحمتوں کا دن ہے۔جاؤتم سب کو ہم نے معاف کیا،تم سب کے سب آزاد ہو۔''

دنیا میں بے شمار انقلاب آئے،حکومتیں بدلیں،مگر احترام انسانیت کی ایسی روشن مثال کسی انقلاب اور تاریخ میں نہیں ملتی جو فتح مکہ کے دن رونما ہوا تھا۔محسن انسانیت نے تلوار چلا کر نہیں بلکہ قرآن سنا کر اسلام پھیلایا۔رسول رحمت کی اسی حسن سلوک کا نتیجہ تھا کہ قلیل عرصے میں اسلام رحمت کی گھٹا بن کر پوری دنیا پر چھا گیا۔

جہاد ظلم نہیں رحمت ہے

تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں دنیا کی قوموں نے جان لیوا اور برباد کن جنگ کی ہے۔مثلاً بخت نصر اٹھا اور اس نے بیت المقدس کو برباد کر دیا۔ایرانی آئے اور بابل کی تہذیب وتمدن کو پامال کر کے چلے گئے۔سکندر یونان سے نکلا اور ایران کے درو دیوار کی ایک ایک نقش کو مٹاتا چلا گیا۔تاتاری منگولیا سے ابھرے اور بغداد کی

سرزمین کو آگ اور خون سے بھر دیا۔

ایسے فرعونی ماحول میں ظالموں کے ظلم سے انسانیت کو بچانے کیلئے اسلام نے اپنے فرزندوں کو ہتھیار اٹھانے کا حکم دیا اور کہا کہ تم ظالموں سے اس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک کہ ظلم اور فتنے کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ اسی پاک مقصد کیلئے مسلمانوں نے تلوار اٹھایا تا کہ دم توڑتی ہوئی انسانیت کو امن وسکون کی زندگی مل جائے اور جب وہ (مجاہدین اسلام) ظالموں کے سامنے شمشیر بکف ہو کر آ گئے تو دنیا نے دیکھا کہ وہ مظلوم انسان جو ایک ظالم کے ظلم کا نشانہ بنا ہوا تھا وہ پنجۂ ظلم سے آزاد ہو گیا۔ عرب کے جن میدانوں میں خاک اڑ رہی تھی اس میں ہوا کے خوشگوار جھونکے چلنے لگے۔ ایرانی تہذیب وتمدن کو پھر سے نئی زندگی مل گئی، پہلی قوموں سے جن لوگوں نے جو کچھ لوٹا تھا اسلام نے وہ سب لوٹنے والوں سے واپس دلایا۔ پہلے جن لوگوں نے جن لوگوں کو برباد کیا تھا۔ اسلام نے انھیں آباد کر دیا، اگر آپ اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دنیا میں جتنی بھی لڑائیاں لڑی گئی ہیں وہ سب دنیا اور دنیا کی بربادی کیلئے لڑی گئیں ہیں لیکن اسلامی جہاد کی یہ ایک امتیازی شان ہے کہ وہ برباد قوموں کو آباد اور انھیں سہارا دینے کیلئے لڑی گئی ہیں۔ اسلام نے صرف اس وقت تلوار اٹھائی ہے جب اسے اس کے لئے مجبور کر دیا گیا تھا، مگر تلوار تلوار میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک تلوار وہ ہے جو ظالم کو ظلم کرنے میں حمایت کرتی ہے اور ایک تلوار وہ بھی ہے جو مظلوم کی حفاظت میں بے نیام رہتی ہے۔ تلوار اگر ظلم کیلئے اٹھائی جائے تو زحمت (گناہ) ہے لیکن اگر ظلم کا خاتمہ کرنے کیلئے اٹھائی جائے تو رحمت (ثواب) ہے۔ اسلام نے جو تلوار اٹھائی ہے وہ کسی پر ظلم وزیادتی کرنے کیلئے نہیں بلکہ باغی، سرکش اور ظالم انسانوں کا سر قلم کرنے کیلئے اٹھائی ہے۔

دیکھئے کھیتوں میں فصل کے ساتھ ساتھ گھاس کے چھوٹے چھوٹے پودے بھی اگ آتے ہیں جو فصل کے نشونما میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ اگر کسان ان پودوں کو جڑ سے

اکھاڑ کر پھینک نہ دے تو وہ فصل کیلئے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ بعینہٖ انسانی معاشرہ میں کچھ ایسے جرائم پیشہ اور ظالم افراد بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو انسانی سوسائٹی اور صحت مند معاشرہ کیلئے مضر اور نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں، انہیں سرکش، ظالم، باغی اور امن کے دشمنوں کا خاتمہ کرنے کیلئے اسلام نے ہتھیار اٹھایا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کیلئے یہ نقصان دہ ثابت نہ ہو سکیں۔

اسلام پر بے بنیاد الزام

دشمنانِ اسلام کہتے ہیں کہ قرآن مسلمانوں کے سوا کسی اور قوم کو دیکھنا نہیں چاہتا اور دلیل میں سورۂ توبہ کی یہ آیت کریمہ پیش کرتے جس کا ترجمہ اور مفہوم ہے کہ ''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو'' یہ لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ ہے جو دانستہ طور پر لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ یہ حکم صرف مکہ کے کافروں اور مشرکوں کے لئے نازل ہوا تھا۔ جب وہ مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں سے جدال وقتال کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ جو تم پر ظلم کر رہے ہیں اور تم پر جبراً جنگ مسلط کر رہے ہیں تو اے اہل ایمان اپنے دین وملت اور وطن کے تحفظ کے لئے مکہ کے کافروں سے لڑو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔

آج بھی ایمرجنسی کے زمانے میں حکومتیں فسادیوں اور دنگائیوں کو دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم دیتی ہیں۔ اسی طرح یہ حکم بھی اللہ نے ایمرجنسی کی صورت میں اہل ایمان کو دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیامت تک جس کافر کو جہاں پاؤ قتل کرتے رہو۔ ہرگز ہرگز نہیں، جس طرح کسی ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ اور لوگوں کو گولی مارنے کا حکم ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مخصوص جگہ اور مخصوص حالات کے لئے ہوتا ہے اسی طرح قرآن کا یہ حکم صرف مشرکین مکہ کے لئے ایمرجنسی کے تحت تھا۔

اسلام اور جمہوریت

اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے پیدائش سے لے کر موت تک انسانی زندگی کے تمام الجھے ہوئے مسائل کو نہایت آسانی کے ساتھ حل کیا ہے۔ عبادت، تجارت، سیاست اور دین و دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کو اسلام نے حل نہ کیا ہو۔

اسلام میں انسانی ضرورتوں کے جائز تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے تمام سامان موجود ہیں۔ اس حیثیت سے اسلام ایک مکمل اور جامع قانون کا نام ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسانی سوسائٹی کی پوری طرح رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام نے دنیا والوں کو زندگی کا ایک ایسا مکمل اصول اور حکمرانی کا ایسا جامع دستور دیا ہے جسے بہترین دستور سیاست اور عمدہ آئین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نیز جمہوریت کا جو روح اسلام کے نظام حکومت میں ہے وہ دنیا کے کسی بھی نظامِ حکومت میں نہیں۔ آیئے اسلامی جمہوری نظام اور غیر اسلامی جمہوری نظام کا تقابلی جائزہ لیں۔

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

ابلیسی جمہوریت

آج دنیا کے سامنے جمہوریت کے فقط دو تصور موجود ہیں (۱) ان میں ایک تو مغربی جمہوریت کا ہے (۲) اور دوسرا تصور وہ ہے جسے اشتراکیت کے علمبرداروں (کارل، مارکس لینن، اسٹالن) نے پیش کیا ہے۔ مغربی تصور کے مطابق جو جمہوریت قائم ہوتی ہے اسے عام طور پر ملک کے سرمایہ دار رائے دہندوں کی مدد سے قائم کرتے ہیں جس میں کمزور طبقوں کی کوئی آواز نہیں سنی جاتی اور سرمایہ دار طبقہ اسے زیادہ سے زیادہ اپنے گروہ کے مفاد کیلئے استعمال کرتا ہے اور ''اشتراکی'' تصور کے ماتحت جو جمہوری حکومت

قائم ہوتی ہے اگر چہ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام اختیارات عوام کے ہاتھوں میں رہتے ہیں لیکن حقیقتاً اس جمہوریت پر بھی ایک خاص طبقہ چھایا رہتا ہے جو دوسرے طبقوں کی آزادی کو صلب کر لیتا ہے۔ اسی طرح جمہوریت کے یہ دونوں تصور افراط اور تفریط میں مبتلا ہیں۔ اور ان دونوں کے ماتحت جو جمہوری حکومتیں قائم ہوتی ہیں ان میں کمزور طبقوں کی حق تلفی ہوتی ہے۔

بنظر عمیق اگر دیکھا جائے تو ملوکیت اور آج کی جمہوریت میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ صرف نام اور شکل کا فرق ہے۔ ملوکیت میں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار کھاتا ہے اور مزا اڑاتا ہے۔ با الفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ شخصِ واحد غیر کی کھیتی کا مالک ہوتا ہے۔ عوام فرد واحد کے غلام ہوتے ہیں۔ اور موجودہ جمہوریت میں چند آدمی عوام کا معبود بن جاتے ہیں یعنی دونوں صورتوں میں عوام غلامی کی لعنت میں گرفتار رہتی ہے۔ اگر آپ کو اس میں کوئی شک وشبہ ہو تو مغرب کے ابلیسی جمہوری دستور کا مطالعہ کیجیے۔ علامہ اقبال نے مغربی جمہوری نظام کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

تو نے دیکھا ہی نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

آج جمہوری حکومتوں میں عوام پر اتنے ہی ظلم ہوتے ہیں۔ جتنے شخصی حکومتوں میں ہوئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شخصی حکومت میں فرد واحد (بادشاہ) ظلم کرتا ہے۔ اور جمہوری حکومت میں یہ کام اسمبلی اور پارلیمنٹ کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے یعنی چند سرمایہ دار مل کر عوام پر ظلم کرتے ہیں۔

یہ ابلیسی جمہوریت ہے۔ اب آپ اسلامی جمہوریت کا مطالعہ کریں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام نے دنیا کے سامنے حکومتوں کا جو جمہوری نظام پیش کیا ہے وہ بڑی حد تک ان تمام کمزوریوں سے پاک وصاف ہے۔

اسلامی جمہوریت

لفظ ''جمہوریت'' پر اگر غور کیا جائے تو یہ ایک ایسا نظام حکومت ہونا چاہیے جس میں عوام کے طبقوں کی اچھی طرح حفاظت ہوسکے۔ شہری اور سماجی حقوق میں کسی طبقہ اور گروہ کو دوسروں پر کسی قسم کی فوقیت اور برتری حاصل نہ ہو۔ اور ہر فرد کیلئے بلا امتیاز مذہب وملت محنت اور معاش کے دروازے کھلے رہیں۔ جمہوریت کا صحیح مطلب اور مفہوم یہی ہوتا ہے۔ مگر میری نظر میں آج کی جمہوریت محض طاقتوروں اور دولت مندوں کی خودمختاری، آزادی اور نفع خوری کا دوسرا نام ہے۔ مگر اس کے برعکس اسلامی جمہوریت میں ہر شخص کی آزادی برقرار رہتی ہے۔ اور کوئی فرد یا گروہ دوسرے فرد یا گروہوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کیلئے انھیں اپنا تابع نہیں بنا سکتا۔

میں نے اسلامی جمہوریت کے بارے میں جو کچھ کہا اس سے یہ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ اسلامی جمہوریت ہی صحیح جمہوریت ہے کیونکہ اسلامی جمہوریت میں عوام کی رائے کا پورا پورا احترام کیا گیا ہے۔ اور انسانی حقوق کے تحفظ کا صرف اعلان ہی نہیں ہے بلکہ ضمانت لیا گیا ہے۔ رعایا کے جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کا اسلامی جمہوریت میں پوری پوری گارنٹی دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ حاکم کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ رعایا کے جان ومال کی اچھی طرح حفاظت کرے اگر وہ اس سلسلے میں ناکام ہے تو اسے حکومت کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔

اسلامی جمہوریت کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ ہر انسان جس طرح بھی چاہے اپنے خدا کی عبادت کرے۔ کوئی کسی کے مذہبی امور میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ سب کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہونا چاہیے۔ چنانچہ اسلام نے سب کو مکمل مذہبی آزادی دی ہے اور اس بات کو اسلامی جمہوریت کا فرض قرار دیا ہے کہ کوئی بھی حکمراں ہو وہ تمام مذاہب کا پورا پورا احترام کرے اور سبھی مذاہب کے عبادت گاہوں اور مقدس مقامات

کے تحفظ کو اپنا فرض منصبی سمجھے۔

آج کے اس جمہوری حکومت میں اگر چہ اس بات کو تسلیم کرلیا گیا ہے لیکن جہاں تک جمہوریت اور سیکولرزم (غیر جانبداری) کے اصولوں پر عمل کرنے کا تعلق ہے اس بات کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ آج جمہوری اور سیکولر اصولوں پر پوری طرح عمل نہیں کیا جارہا ہے۔ اور اگر جمہوری سیکولر اصولوں پر عمل کیا جاتا تو ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد منہدم نہ ہوتی اور نہ ہی ملک کے طول وعرض میں مسلم کش فسادات ہوتے۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ حالات خواہ کتنے ہی سنگین اور بھیانک روپ کیوں نہ اختیار کر لئے ہوں لیکن اگر انصاف، جمہوریت اور سیکولرزم کے تقاضوں کو پورا کیا جائے تو حالات سنور سکتے ہیں۔

ٹوٹل جمہوری حکومتیں حقوق انسانی کی تحفظ میں ناکام

آج عدالتوں کے منصفوں کا حال یہ ہے کہ جب وہ کوئی فیصلہ دیتے ہیں تو فرقہ پرستی اور جانبدارانہ رویہ اختیار کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے وہ نہ انصاف کرتے وقت انصاف کا خون کرتے ہیں اور نہ ہی فیصلہ لیتے وقت انصاف کا خون ہونے دیتے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ کی عدالتوں کو اس سلسلے میں ایک امتیازی شان حاصل ہے کہ وہ جمہوریت اور سیکولرزم عدل اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں اپنے اور بیگانے میں کوئی تمیز نہیں کرتا۔ اگر حق غیر مسلم کے ساتھ ہے تو فیصلہ بھی اسی کے حق میں دیا جائے گا ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں۔ اسلام نے اپنے ٹھوس قوانین سے برائی اور جرائم کے دروازے جس آسانی سے بند کر دیئے ہیں آج فوج کی طاقت سے برائی اور جرائم پر قابو نہیں پایا جارہا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ برائی اور خونریزی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کیلئے کوئی قانون نہیں ہے۔ قانون تو آج بھی ہے لیکن قانون کا استعمال منھ دیکھ کر کیا جارہا ہے جو جمہوریت اور سیکولرزم

کے اصول کے منافی ہے۔ اسی طرح موجودہ جمہوریت اور سیکولر نظام کا جب ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو آج سیکولرزم پر ایک سوالیہ نشان ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اور موجودہ ٹوٹل جمہوری حکومتیں انسانی حقوق اور رعایا کے جان و مال کے تحفظ میں بالکل نا کام دکھائی دیتی ہیں۔ خود اقوام متحدہ (یو این او) جس کا قیام سیکولرزم اور انسانی حقوق کے تحفظ کیلئے عمل میں آیا تھا اور جو پوری دنیا میں سیکولرزم اور حقوق انسانی کے تحفظ کا سب سے بڑا ادارہ سمجھا جاتا ہے وہ خود سیکولرزم اور حقوق انسانی کے تحفظ میں ناکام ہے اور اس کی حالت ان تین بندروں کی طرح ہے جو مظلوم انسانوں کے چیخ و پکار کو نہ تو سن سکتا ہے۔ نہ غاصب اسرائیل کے خلاف کچھ کہہ سکتا ہے اور نہ ہی بوسنیائی، فلسطینی مسلمان کے حال زار کو دیکھ سکتا ہے۔ امریکہ نے اس کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ وہ دنیا کے مظلوم انسانوں کے حق میں قرارداد تو منظور کر سکتا ہے مگر دنیا کے مظلوم انسانوں کو ان کے چھینے ہوئے حقوق واپس نہیں دلا سکتا۔ مسلم ممالک کے متعلق ابتدا ہی سے اس کا رویہ سوتیلا پن جیسا رہا ہے۔ مسلم ممالک کے حکمراں اس کے دام فریب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس لئے مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ اس کی رکنیت سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنا ایک علیحدہ اسلامی کونسل (اسلام مہا سنگھ) بنائیں تبھی عالم اسلام کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

جمہوریت کا صحیح ڈھانچہ

اسلام نے اپنے نظام حکومت کی بنیاد سیکولر اصولوں پر قائم کیا ہے جس میں جمہوریت کی قدروں کا بہت ہی احترام کیا گیا ہے۔ اور جمہوریت کا صحیح ڈھانچہ بنانے کیلئے عوامی رائے مشورے ہی کو اصل جمہوریت کہا گیا ہے۔ جس کا اظہار موجودہ دور میں ووٹ دے کر الیکشن کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ نیز اسلامی جمہوریت میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ امیدوار خود سے منتخب کر کے حکمراں جماعت کھڑا نہیں کر سکتی بلکہ

یہ حق صرف اور صرف عوام کو دیا گیا ہے کہ وہ اپنا نمائندہ (امیدوار) منتخب کر کے کھڑا کرے کیونکہ عوام کے پاس نیک دل اور اچھے افراد کی کمی نہیں ہوتی اس لئے اسلامی جمہوریت کے امیدوار کا انتخاب عوام پر چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ عوام اچھے نیک دل انسان کو اپنا امیدوار منتخب کرے کیونکہ بہترین معاشرہ نیک دل انسانوں ہی سے بنتا ہے۔

اسلام میں ووٹ کا تصور

اسلامی معاشرے میں ووٹوں (کسی کے حق میں اپنی رائے کو ظاہر کرنا) کا رواج اس زمانے میں شروع ہو گیا تھا جب یورپ کی سب سے بڑی طاقتور حکومت رومن امپائر میں صرف سات افراد اور وہ بھی شہزادگان کو ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔

اب بھی برطانیہ کے قانون میں ووٹ (رائے دہی) کا حق صرف اسی شخص کو ہے جو سب سے زیادہ مالدار ہو اور جو سب سے زیادہ ٹیکس بھرتا ہو وہی برطانوی کونسل کا ممبر بن سکتا ہے۔ مگر اسلام میں رائے دہی کا دارومدار دولت پر نہیں بلکہ علم اور عقل پر ہے۔ اسلام میں امیر، غریب، مرد، عورت یہاں تک کہ ایک غلام (حالانکہ غلامی کے تصور کو اسلام نے دھو ڈالا ہے صرف سمجھانے کیلئے غلام کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے) کو بھی رائے دہی کا برابر حق حاصل ہے۔ مطلب یہ کہ اسلامی جمہوریت میں ووٹوں کا رواج اس وقت سے شروع ہو چکا تھا جب کہ یورپ میں ان چیزوں کا تصور بھی نہ تھا، اسلام آیا تو جمہوریت کی روشنی پوری دنیا کو ملی۔

رائے عامہ کا احترام

چونکہ عوامی رائے اور مشورے ہی کو اصل جمہوریت کہا گیا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے لفظ ''مشورہ'' پر غور کریں۔ مشورہ عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ ''شور'' سے بنا ہے جس کے

کئی معنی ہوتے ہیں۔اپنی رائے کوظاہر کرنا، چونکہ مشورہ میں ہرشخص اپنی رائے کوظاہر کرتا ہے۔ نیز ہرشخص کی رائے حاصل کی جاتی ہے اورعوام کے رائے ومشوروں سے ہی آنے والے حکمراں کاانتخاب کیاجاتا ہے۔اس لئے اس پروگرام کوانتخاب (الیکشن) کہتے ہیں جو ایک اہم معاملہ ہے اور جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوخواہ ملک کا ہو یا سماج کا تو آپس میں رائے مشورہ کرلینا چاہیے،یہی قرآن کا فرمان ہے اور یہی سنت نبوی بھی ہے۔مثال کے طور پر جنگ احد کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ سلم نے صحابہ کی ایک میٹنگ بلائی اوران سے مشورہ طلب کیا۔نیز آپ نے اپنی رائے کوبھی اظہار کیا۔آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینے میں قلعہ بند ہوکر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ ایک نبی کی رائے تھی اوراس کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ بھی نہیں کیاجاسکتا تھا۔مگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی رائے دی۔ یہ رائے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی رائے کے خلاف تھی مگر آپ نے اپنی رائے کو جبراً کسی پر نہیں ٹھونسا بلکہ جمہوری اصولوں کا احترام کرتے ہوئے آپ نے صحابہ کے رائے کواختیار کرلیا۔

تعصب اور تنگ نظری سے بند ہوکر اگر اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو اسلامی عقائد کو نہ تسلیم کرتے ہوئے بھی یہ ماننا پڑتا ہے کہ جمہوریت کا جوروح اسلام کے نظام حکومت میں ہے وہ کسی جمہوری حکومت میں نہیں لیکن یہ دیکھ کر بے حد افسوس ہوتا ہے کہ فرقہ پرست اور تنگ نظر لوگوں نے اسلام کی تمام تر خوبیوں کے باوجود اسلام پر بے بنیاد الزام لگائے ہیں، حالانکہ حقائق اور تاریخ کی روشنی میں ان الزامات کو دیکھا جائے تو بےسروپا ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے

تاریخ ہمیں یہ بات بتاتی ہے کہ طلوع اسلام سے پہلے انسان کے دماغ میں

جمہوری طرز حکومت کا تصور نہ تھا۔ اسلام جب آیا تو اس نے اپنے ظہور کے بعد شخصی اور خاندانی حکومت کا خاتمہ کیا اور اس کی جگہ عوامی جمہوریت کی داغ بیل ڈالی۔ چنانچہ اس نے دنیا میں خلافت اسلامیہ کے نام سے جمہوری حکومت قائم کر کے دکھا بھی دی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے شخصی اور خاندانی حکومت کا خاتمہ کر کے جمہوریت سے دنیا کو روشناس کرایا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان حکمراں (خلافت) کیلئے انتخاب کا جب مسئلہ درپیش آیا تو آپ نے کسی صحابی کو خود سے نہیں چنا بلکہ انتخاب کا (چناؤ) مسئلہ امت مسلمہ پر چھوڑ دیا۔ اور امت مسلمہ نے متفقہ طور پر اسلامی جمہوریت کا پہلا خلیفہ (حکمراں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چن لیا اور حضرت ابوبکر کے بعد کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ کے بعد آپ کے خاندان کے کسی فرد کو آپ کا جانشین بنایا جائے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس مسند پر بٹھایا گیا۔ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ عہدہ ملا جن کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی خاندانی تعلق نہ تھا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حضرت علی کو رائے عامہ سے اسلامی جمہوریت کا چوتھا خلیفہ نامزد کیا گیا۔ اس طرح سب نے یکے بعد دیگرے خلفائے راشدین کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ یہ بیعت ہی اس زمانے میں ووٹ ڈالنے کا ایک بہترین طریقہ تھا۔ مگر جب اس کی وجہ سے بعض اوقات بیعت سے انکار کرنے والے کو اپنی اس جرأت کی سزا بھگتنی پڑتی حتیٰ کہ کبھی کبھی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا تھا اس لیے ان تمام خدشات کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام نے بیلٹ پیپر کے ذریعے خفیہ ووٹ ڈالنے کا طریقہ رائج کیا جو ابھی تک ساری دنیا میں رائج ہے۔

جاگیردارانہ نظام کے خلاف حضرت امام حسین کا اعلان جہاد

خلفائے راشدین کے بعد اسلام کے اس طریقۂ انتخاب کو شہنشاہوں نے بدلنا

بھی چاہا لیکن ہزاروں کوششوں کے باوجود وہ ملک سے جمہوریت کا نظام ختم نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ یزید جیسا مطلق العنان حکمراں کو بھی مجبوراً انتخاب کرانے پڑے تھے۔ اگر چہ مسلمانوں کی اکثریت نے خوف زدہ ہوکر اس کے حق میں ووٹ ڈال دیئے تھے لیکن ایسے لوگ بھی موجود تھے جنھوں نے اس کے حق میں ووٹ ڈالنے سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ اور وہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کی ذات گرامی تھی جنہوں نے یزید کے جاگیردارانہ نظام اور آمرانہ حکومت کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کی اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے کر جمہوریت کے پاکیزہ وقار کو ہمیشہ کیلئے بچالیا۔

یزید دراصل جبراً امام حسین علیہ السلام سے اپنے حق میں ووٹ ڈلوانا چاہتا تھا کہ اے حسین ابن علی تم مجھے دنیائے اسلام کا حکمراں تسلیم کرلومگر سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ نے سر دینا گوارہ کر لیا لیکن ظالم اور نا اہل حکمراں کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے کر صاف بیعت سے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں حق اور باطل کا معرکہ کربلا میں برپا ہوا اور آپ یزید کے جاگیردارانہ نظام خلافت (جو سراسر اسلامی آئین کے خلاف تھا) یزید کے مقابلے میں تنہا ڈٹ گئے یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ مگر نا اہل اور ظالم حکمراں یزید کو اپنا قیمتی ووٹ نہیں دیا۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ یہ واقعات سامنے رکھ کر اپنے ووٹ (رائے دہی) کی قدر کریں اور خیال رکھیں کہ ووٹ ایسی قیمتی چیز ہے کہ اس کی حفاظت کیلئے امام پاک علیہ السلام نے جہاد فرمایا حتی کہ آپ شہید ہو گئے۔ مگر نا اہل اور ظالم یزید کے حق میں اپنا قیمتی رائے نہیں دیا۔ اور فرمایا کہ ظالم کے حق میں اپنی رائے دے کر اس کی حمایت کرنے کے برابر ہے۔ بروز قیامت ان افراد کو وہی سزا دی جائے گی جو کسی بھی طرح ظالموں کی حمایت کئے ہوں گے۔ آج کا دور عالم اسلام بالخصوص مسلمانان ہند کیلئے

ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ یہ حوصلہ شکن حالات اب ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کررہے ہیں کہ تمام سیاسی پارٹیوں سے الگ ہوکر خوداپنی ایک مضبوط سیاسی پارٹی بنائیں جوملکی سطح پر ہواور موجودہ تمام سیاسی پارٹیوں سے ٹکر لے سکے۔ نیز پس ماندہ طبقوں اور مسلمانوں کی صحیح طور سے نمائندگی کرسکے۔ آج مسلم قیادت بالکل مفلوج ہوچکی ہے اور ہمارے مسلم سیاست داں مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹ گئے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں کا ووٹ بھی مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹ کر بے اثر ہوگیا ہے۔اس لیے ہمیں سب سے پہلے متحد ہونا ہوگا۔اس کے بعد ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہمیں ان جماعتوں کوووٹ دینا چاہئے جواس کا اہل ہوں اورفرقہ پرست نہ ہوں۔ ہمارے مذہبی امور میں مداخلت نہ کرتی ہوں۔ہم اپنے ووٹ کے ذریعہ حکمراں ایسے شخص کوچنیں جوملک اورملک کےعوام کیلئے کام کرنے کا جذبہ رکھتا ہو۔جوہمارے حقوق کی حفاظت اورمسائل کاحل کرسکتا ہو۔

اسلامی جمہوریت میں غیر مسلموں کے جان ومال کی مکمل تحفظ

اسلام اپنے عقیدہ کے مطابق دنیا کا سب سے بہترین مذہب ہے۔اوروہ جان ومال کی حفاظت کے سلسلے میں دیگراقوام کی بھی حفاظت کی ذمہ داری اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔تاریخ اسلام میں اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ کوملیں گی۔ یہاں تمثیلاً صرف دومعاہدے کا ذکر کرتے ہیں (۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حیرہ کےقرب وجوار کی غیر مسلم آبادیوں سے جومعاہدہ کیا تھا اس میں تحریر تھا کہ اگرہم تمہاری حفاظت کریں تو جزیہ ہماراحق ہوگا اوراگرتمہاری حفاظت نہ کرسکے تو ہم اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔ (۲) عرب جرنیل حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے تمام مفتوحہ شہروں کے گورنروں کوتحریری حکم بھیجا کہ وہ جزیہ سے وصول ہونے والی تمام رقوم ان شہر کے باشندوں کوواپس کردیں۔اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی

اللہ عنہ نے ان شہروں کے باشندوں کے پاس خط لکھا کہ ہم تمہاری رقم تمہیں اس لئے واپس دے رہے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایک زبردست فوج ہمارے خلاف بڑھی چلی آرہی ہے۔ اگر ہم کو فتح ہوئی تو ہمارے اور تمہارے درمیان یہ معاہدہ قائم رہے گا اور ہم اس شرط کے پابند ہوں گے۔

اس تاریخی حقائق سے واضح ہوا کہ اسلام نے اپنے مفتوحہ ممالک میں مظلوم یہودیوں کو عیسائیوں کے ظلم سے نجات دلا کر انھیں مساوی، شہری اور مذہبی حقوق ہی نہیں دیئے بلکہ اسے اپنے حریفوں کے حقوق کی کامل تحفظ کی ذمہ داری بھی قبول کی اوران کے مذہبی رسم ورواج کے تحفظ کو اپنا فریضہ قرار دے کر سیکولر جمہوریت کی ایک ایسی مثال قائم کر دی جس کے بغیر کوئی جمہوی حکومت اپنی تکمیل کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ آج دنیا کو پھر اسلامی جمہورت کی ضرورت ہے۔ جب تک دنیا میں اسلامی طرز کی جمہوریتیں قائم نہیں ہوں گی اس وقت تک پوری دنیا میں امن وسکون پیدا نہیں ہوگا۔

ملوکیت اسلام کی ضد ہے

اسلام میں حکومت باپ سے بیٹے کو ورثے میں نہیں مل سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو ابوبکر وعمر وعثمان وعلی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جیسے جلیل القدر صحابہ اپنے اپنے بیٹوں کو اس کے لیے نامزد فرما جاتے مگر ایسا نہیں کیا اور اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ اسلام جمہورت کا علمبر دار ہے ملوکیت کا نہیں۔ کیونکہ ملوکیت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اسلامی نظام کی ضد ہے۔ جب تک دنیائے اسلام سے ملوکیت (جاگیردارانہ نظام) کا خاتمہ نہیں ہوگا کبھی بھی عالم اسلام سر بلند نہیں ہوسکتا ہے۔

جمہوریت کے نظام سے آج عرب کے شیوخ اور امراء لرزہ براندام ہیں۔ بالخصوص کویت کے امیر اور سعودی کے شاہ تو بہت ہی خوفزدہ ہیں کیونکہ انھیں اندیشہ

ہے کہ اگر یہاں جمہوریت کا نظام قائم ہوگیا تو ہم کہاں جائیں گے۔ ممکن ہے ہمارا انجام بھی وہی ہو جو مصر کے انور سادات اور ایران کے رضا شاہ پہلوی کا ہوا۔ انہیں خدشات کے تحت آج سعودی، کویت، مصر، شام، الجزائر اور دیگر مسلم ممالک میں جہاں جہاں امریکہ اور مغرب نواز حکمرانوں کی حکمرانی ہے وہاں اسلام کے علمبرداروں، جمہوریت اور اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے جہاد کرنے والوں کو فوجی عدالتوں کے ذریعہ سزائے موت دی جارہی ہے۔ ان کے دفاتر سیل کئے جارہے ہیں۔ انھیں دہشت گرد اور بنیاد پرست کہا جارہا ہے۔

مغرب نواز حکمراں یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھیں کہ وہ اسلامی انقلاب کو دبانے میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن اسلام پسندوں کو اپنے مقصد میں کامیابی ملے گی اور غدار مغرب نواز حکمرانوں کو ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا۔

اسلام اور عورت

قبل اسلام عورت کا مقام

طلوع اسلام سے قبل عورت ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ قدرت نے اگر چہ اسے مرد کی طرح ذی روح اور ذی شعور بنایا تھا لیکن اس کے ساتھ برتاؤ مٹی کی بے جان مورتیوں کا سا کیا جاتا تھا۔ جُوا میں داؤ پر اسے لگایا جا سکتا تھا، خاوند کی لاش کے ساتھ قانوناً اسے جل کر راکھ ہونا پڑتا تھا۔ کنفیوشس اور ماتی کے خود ساختہ مذہب میں عورت کا قتل نہ صرف جائز بلکہ کارِثواب سمجھا جاتا تھا، کہیں اسے تمام برائیوں کا جڑ اور انسان کی ساری بدبختیوں کا سرچشمہ یقین کیا جاتا تھا تو کہیں ایڑی چوٹی کے نامور فلسفی اس کے انسان ہونے کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کو ملکیت کے حقوق حاصل نہ تھے۔ اسے ازدواجی بندھنوں میں مقید کرنے سے پہلے اس سے کوئی رائے لینے اور دینے کا تصور تک نہ تھا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر حالات تھے جن میں اسلام سے پہلے یہ عورت گرفتار تھی۔ اسلام نے آکر پہلی مرتبہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مردوں کا خالق ہے اسی طرح عورتیں بھی اس کی مخلوق ہیں۔ وہ دونوں سے پیار کرتا ہے اور اسے دونوں کی خیرخواہی مطلوب ہے۔ وہ جس طرح مردوں کو آبرومندانہ اور باوقار زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ عورت کو بھی باعزت زندگی گزارنے کا حق دیتا ہے۔ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہیں۔ مرد کی طرح اس کی بھی رائے رائے ہے اور قانون اس کی رائے کا احترام کرتا ہے۔ اس کو اپنے والدین، اپنے خاوند اور اپنی اولاد کا وارث تسلیم کیا گیا۔ اس کو ملکیت میں حقوق دیئے گئے۔ مرد کو بیوی کے ساتھ حسن

سلوک کا حکم دیا گیا اور اگر اس کی کوئی چیز یا عادت پسند خاطر نہ ہو تو اس پر صبر کرنے کی ہدایت کی گئی اور اگر باہمی تعلقات کشیدہ ہو جائیں تو اصلاح حال کی تدبیر بتائی گئی۔

مذکورہ حقائق سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اسلام کے سوا تمام تہذیبوں میں خواہ شرقی ہو یا غربی، قدیم ہو یا جدید، عورت کو ایک کھلونا ہی سمجھا جاتا رہا اور آج بھی سمجھا جاتا ہے۔ ہوسناک نگاہیں اس کا تعاقب کرنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتیں۔ جب تک عورت اپنے حقوق سے بے خبر اور محروم تھی اس وقت تک حکماً اسے محفلِ رقص وسرور کی زینت بننے پر مجبور کیا جاتا رہا اور جب اسے اپنے حقوق سے آگاہی ہوئی تو پرانے شکاریوں نے، ابلیس کے شاگردوں نے اس کو پھانسنے کیلئے نیا جال بچھا دیا۔ انھوں نے اپنا سارا فلسفہ اور زورِ قلم اس کو یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ اب تو آزاد ہے۔ تجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ تو بن ٹھن کر گھر سے ننگے، سر بے حجاب نکلے، اس کے بعد تیرا جی چاہے تو تو بازاروں اور شاہراہوں پر محوخرام رہے، چاہے کسی فائیو اسٹار ہوٹل کی آرائش میں اضافہ کرے، چاہے کسی کلب میں یا بزم عیش وطرب میں اپنے حسن کی نمائش کرے، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ تیری اس آزادی میں روڑا اٹکائے۔ یہ ہے ماضی اور حال میں عورت کی تصویر جیسے فرزندانِ ابلیس (امریکہ اور اہل مغرب) نے پیش کیا ہے۔ تصویر کے دونوں رخ آپ کے سامنے ہیں۔ اب آپ ابلیسی نظام کا اسلامی نظام سے موازنہ کیجئے اور جو نظام عمدہ اور سماج اور انسانیت کے حق میں نفع بخش ہو اسے قبول کر لیجئے یہی عقل کا تقاضا ہے۔

آج اسلام دشمن عناصر عورت کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں اور عوام کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو گھروں میں مقید کر دیا ہے۔ انھیں سماج میں مردوں کے دوش بدوش چلنے کا کوئی حق نہیں دیا۔ در حقیقت ایسے لوگ اسلام کو سمجھتے ہی نہیں۔ اسلام ہی دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے

عورت کو قعر مذلت سے نکال کر باعزت زندگی عطا کی ہے۔عورت کے بارے میں اسلام کا کہنا یہ نہیں ہے کہ وہ مرد سے کمتر ہے۔اسلام کا کہنا صرف یہ ہے کہ عورت مرد سے مختلف ہے۔ یہ ایک دوسرے کے مقابلے میں فرق کا معاملہ ہے نہ کہ ایک کے مقابلے میں دوسرے سے بہتر ہونے کا۔تھوڑی دیر کے لئے فرض کیجئے کہ اگر کوئی ڈاکٹر اپنے مریض سے کہ کہے کہ دیکھو جی! آنکھ تمہارے جسم کا نہایت نازک حصہ ہے،تم اپنی آنکھ کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کرسکتے جو تم اپنے ناخن کے ساتھ کرتے ہوتو ڈاکٹر کی اس ہدایت کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ناخن کے مقابلے میں آنکھ کو کمتر درجہ دے رہا ہے بلکہ وہ ناخن کے مقابلے میں آنکھ کے فرق کو بتا رہا ہے۔ بعینہٖ اسلام مرد کے مقابل عورت کے مقام کو اور اس کی جوہر نسوانیت کو واضح کررہا ہے۔دونوں میں امتیاز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مرد سے کمتر ہے۔

گھر کی سربراہی کیلئے کون مناسب؟ مرد یا عورت

آج کل حقوقِ نسواں پر ہر جگہ بحث جاری ہے اور اسلام مخالف عناصر شرارتاً یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو محکومیت کا درجہ دے کر اس کی تحقیر وتذلیل کی ہے، چنانچہ مرد کو عورت کا حاکم بنادیا ہے جس کی وجہ سے مرد زندگی کے ہر موڑ پر اس پر اپنی بالادستی کا رعب جماتا رہتا ہے۔

پوری انسانی تاریخ کا یہ ایک اٹل فیصلہ ہے کہ ہر شعبے، ہر ادارے کا ایک ہی سربراہ ہوتا ہے۔کسی ملک میں دو بادشاہ یا دو وزیراعظم کا تصور احمقانہ اور ملک کیلئے نقصان دہ ہے۔جس طرح ہر فوج کا ایک ہی کمانڈر اور ہر ملک کا ایک ہی فرمانروا ہونا ضروری ہے جو نظام قائم رکھے اور فوج اور رعایا اس کے حکم کی تعمیل کرے، اسی طرح گھر کی ریاست کا بھی ایک ہی حاکم اعلیٰ ہونا چاہیے جو گھر کی تمام نظم ونسق کو بخوبی چلا

سکے اور گھر کی تمام ضروریات کا کفیل ہو اس کی خوشحالی کا ذمہ دار ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے ورنہ گھر کی یہ مختصر مگر اہم ریاست کا سکون واطمینان برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری کس کو سونپی جائے اور اس بار گراں کو اٹھانے کی بہترین صلاحیت کس میں ہے اس کے دو ہی امیدوار ہیں مرد اور عورت۔ اسلام نے مرد کو اس ذمہ کا اہل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتادی ہے کہ اس میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک وہبی اور دوسری کسبی۔ انھیں خوبیوں کی باعث وہ گھر کی مملکت کا رئیس اور حاکم مقرر کیا گیا ہے۔ پہلی خوبی تو یہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ مرد اپنی جسمانی قوت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دور اندیشی میں بلاشبہ عورت سے بڑھا ہوا ہے اور مرد کی دوسری خوبی یہ ہے کہ بیوی بچے کے جملہ اخراجات اور ان کے آرام وآسائش، ان کی تعلیم وتربیت، ان کی حفاظت صیانت کی تمام تر ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے فطری اور کسبی برتری کے باعث مرد ہی اس امر کا مستحق ہے کہ وہ گھر کی ریاست کا امیر ہو۔

اس سے کوئی کج فہم تعصب پرست یہ نہ سمجھے کہ عورت کے گلے میں مرد کی غلامی کا طوق ڈالا جارہا ہے۔ مرد کو گھر کا حاکم بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عورت کو غلام سمجھے اور اس سے غلاموں کی طرح کام لے۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر واجب ہیں اسی طرح عورت کے حقوق مرد پر واجب ہیں، جن کی ادائیگی ایک دوسرے کیلئے بہت ہی ضروری ہے۔ خدا کی طرف سے نعمتوں اور رحمتوں کے دروازے دونوں کیلئے کشادہ ہیں، اس لیے یہاں عورت کی غلامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عورت کو جو مقام معاشرے میں اسلام نے بخشا ہے اس کی نظیر نہیں۔ ویسے کوئی آنکھیں بند کر رکھے تو چشمۂ آفتاب راچہ گناہ۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اے لوگو! اپنی عورتوں کے ساتھ بھلائی اور نرمی سے پیش آؤ۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے: خَيْرُكُمْ خَيْرٌ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ. تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کا سلوک اپنے اہل وعیال سے اچھا رہے اور میں اپنے گھر والوں سے سلوک کے لحاظ سے تم میں سب سے اچھا ہوں۔

انسانی معاشرہ میں آدمی کی شرافت اور انسانیت کی کسوٹی اس کا اپنی بیوی سے حسن سلوک ہوتا ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی بدسلوکی کا مرتکب صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ خود نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہو یا صحیح معیارِ انسانیت سے گر چکا ہو۔

اسلام نے عورت کو جو عزت کا مقام اور حقوق عطا کئے ہیں اس کا اندازہ اس حدیث پاک سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''تیری ماں''، صحابی نے پوچھا پھر کون؟ حضور پاک علیہ السلام نے جواب دیا ''تیری ماں''، صحابی نے پھر عرض کیا پھر کون؟ حضور نے فرمایا ''تیری ماں''۔ انھوں نے پھر پوچھا پھر کون؟ چوتھی مرتبہ سرکار نے فرمایا تیرا باپ۔

مذکورہ حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اگر عورت ماں ہے تو بحیثیت ماں اسلام نے اس کو پہلا حق دیا ہے، اگر عورت بیٹی ہے تو اسلام نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ جب بازار سے کھانے پینے کی کوئی چیزیں لاؤ تو سب سے پہلے لڑکی کے ہاتھ میں دو، بعد میں لڑکے کو دینا اور اگر عورت بہن ہے تو اسلام نے اسے بھائی کی طرح، باپ کی جائداد میں حصے دار ٹھہرایا ہے۔

میراث کی تقسیم میں عورت کا حصہ

عرب میں میراث کی تقسیم کا یہ قاعدہ تھا کہ عورتیں اور چھوٹے بچے اپنے مرنے والے باپ اور خاندان وغیرہ کی وراثت سے یکسر محروم کر دیئے جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ جو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے کے قابل نہیں وہ میراث پانے کا بھی حقدار نہیں۔ ہندو دھرم میں بھی عورت وارث شمار نہیں کی جاتی تھی اور یورپ میں تو گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔ صرف بڑا لڑکا باپ کی جائیداد کا وارث بنتا بقیہ دیگر محروم رہ جاتے، مگر جب اسلام آیا تو اس نے باپ کی جائیداد میں سے عورتوں کو مردوں کی طرح وارث قرار دیا۔ بڑے لڑکے کی تخصیص ختم کر کے سب لڑکوں کو اپنے متوفی باپ کی وراثت میں برابر کا شریک بنایا۔ چھوٹی اور بڑی تمام جائیدادوں میں ورثاء کو حسب حصہ حقدار تسلیم کیا۔

اصولِ اول قرابت

اسلام نے صحت مند معاشرہ کو معرض وجود میں لانے کیلئے کنبے کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کے افراد کے مفاد کو یوں ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا ہے کہ محبت و قرابت کا باہمی رشتہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ اس کے لئے جو وسائل اختیار کئے ہیں انھیں میں سے ایک نظام میراث ہے۔ زندگی میں اگر کنبے کا کوئی فرد افلاس و غربت کا شکار ہوجائے تو دوسرے افراد پر اس کے نفقہ کو فرض قرار دیا۔ اسی طرح موت کے بعد متوفی کے قریبی رشتہ داروں میں اس کی جائداد کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تاکہ زندگی اور موت میں کنبے کا مفاد یوں باہم پیوستہ رہے کہ جدائی کا خیال ہی ان میں راہ نہ پاسکے۔ کنبے کے اتحاد کو برقرار رکھنے کیلئے نظام وراثت میں قرابت کا اصول پیش نظر رکھا گیا ہے۔ میراث میں حصہ کے ملنے یا نہ ملنے اور حصہ کے کم یا زیادہ ہونے

میں رشتہ کی نزدیکی اور دوری کو بہت بڑا دخل ہے۔

اصول دوم ضرورت

اسلام نے قریبی رشتہ داروں میں حصہ کی کمی بیشی کا مدار ضرورت کو قرار دیا۔ جتنی کسی کی ضروریات زیادہ اور ذمہ داریاں کثیر ہوں گی اسی لحاظ سے اس کا حصہ مقرر کیا جائے گا۔ مثلاً متوفی کے والدین اور اس کی اولاد کی قرابت بالکل مساوی نوعیت کی ہے لیکن اولاد جو زندگی کے سفر کا اب آغاز کر رہی ہے اس کی ضروریات والدین کے ضروریات سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو اس طویل سفر کی آخری منزل میں قدم رکھ چکے ہیں۔ نیز والدین کے پاس تو زندگی بھر کا کچھ نہ کچھ اندوختہ ہوتا ہی ہے اور اولاد بالکل خالی ہاتھ ہے۔ یہی فرق لڑکی اور لڑکے میں ہے۔ لڑکی پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں۔ شادی سے پہلے اس کے والدین اس کے تمام ضروریات کے کفیل ہیں اور شادی کے بعد اس کے نان نفقہ کے تمام تر ذمہ داری خاوند پر ہے۔ اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے جملہ مصارف بھی اس کے خاوند کے ذمہ ہیں۔ اور عملی زندگی کی سرگرمیاں جس سرمایہ کی محتاج ہیں اس کا بھی مہیا کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے۔ یہ حقائق ہیں جن کے پیش نظر اسلام نے والدین اور اولاد عورت اور مرد کے حصوں میں فرق کیا ہے۔ اور یہ فرق ہی عین عدل ہے ان امتیازات کی موجودگی میں ان کے حصوں کو مساوی رکھنا مساوات تو ہوگی لیکن کھوکھلی اور ظالمانہ۔ اور اسلام صرف اس مساوات کا علمبردار ہے جو عدل وانصاف پر مبنی ہو۔

اصولِ سوم تقسیم دولت

اسلام چاہتا ہے کہ دولت سمٹ کر صرف چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے اور وراثت کی تقسیم میں بھی اس اصول کو ملحوظ رکھا۔ اس لئے بڑے لڑکے یا صرف لڑکیوں ہی کو وارث تسلیم نہیں کیا بلکہ تمام اولاد لڑکے لڑکیاں اور ان کے علاوہ کئی رشتہ داروں کو

وارث قرار دیا تا کہ زیادہ سے زیادہ افراد میں یہ دولت تقسیم ہو۔ یہ وہ تین اصول ہیں (قرابت، ضرورت، تقسیم دولت) جن پر اسلام کا بے نظیر نظام وراثت قائم ہے۔

اولاد کے وارث ہونے کی صورتیں

اولاد کے وارث ہونے کی چار صورتیں ہیں: (۱) لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی اس صورت میں لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ ملے گا (۲) صرف ایک لڑکی ہو اس صورت میں لڑکی نصف جائیداد کی وارث ہوگی (۳) صرف دو لڑکیاں ہوں (۴) یا دو سے زائد اور لڑکا کوئی نہ ہو تو ان دو صورتوں میں لڑکیوں کو جائیداد کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

والدین کے وارث ہونے کی صورتیں

(۱) ماں باپ بھی موجود ہوں اور اولاد بھی ہو خواہ لڑکا یا لڑکی۔ ایک یا زیادہ تو اس صورت میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور بقیہ ہے ۶ / ۴ر اولاد میں حسب قاعدہ تقسیم ہوگا (۲) صرف ماں باپ وارث ہوں میت کی اولاد بھی نہ ہو اور بھائی بہن بھی نہ ہوں تو اس صورت میں ماں کا ۳ / ۱ر اور بقیہ دو تہائی باپ کا (۳) میت کی اولاد تو نہ ہو لیکن اس کے بھائی بہن ہوں اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ اور بقیہ ۶ / ۵ر باپ کو۔ بھائی بہن خواہ عینی ہوں یا ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں خواہ علاتی یعنی باپ ایک مائیں الگ الگ یا اخیافی یعنی ماں ایک باپ الگ الگ۔ ان سب حالتوں میں ایک ہی حکم ہے۔ باپ کے باعث بھائی بہنوں کو حصہ نہ ملے گا۔

بیوی کی وراثت تقسیم کرنے کی صورتیں

بیوی کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) متوفیہ بیوی کی کوئی اولاد نہ ہو۔ نہ لڑکا نہ لڑکی۔ تم سے اور نہ کسی دوسرے خاوند سے۔ اس صورت میں نصف خاوند

کو ملے گا اور بقیہ نصف دوسرے وارثوں میں حسب قائدۂ شرعی تقسیم ہوگا (۲) اس کی کوئی اولاد ہوتو اس صورت میں چوتھائی خاوند کو ملے گا اور بقیہ دوسرے وارثوں کو۔

خاوند کی وراثت تقسیم کرنے کی صورتیں

خاوند کی وراثت تقسیم کرنے کی دوصورتیں ہیں (۱) خاوند کی کوئی اولاد نہ ہو، نہ لڑکا نہ لڑکی نہ موجودہ بیوی سے نہ کسی دوسری بیوی سے تو چوتھائی بیوی کو ملے گا خواہ ایک ہو یا زیادہ اور اگر خاوند کی اولاد ہوتو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ایک ہو یا زیادہ بقیہ دیگر وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم خاتمہ

اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ مرنے والا اپنی جائیداد کی ایسے لوگوں کے نام وصیت کرجاتا جن سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا تھا اور اپنی اولاد کو جائیداد سے محروم کردیتا اور اس دور میں اس فعل کو شرافت وسخاوت کا کمال شمار کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بے رحمانہ اور ظالمانہ روش کے انسداد کیلئے احکام وراثت نازل فرمائے اور تمام رشتہ داروں کے حصے مقرر کردیئے اور ان میں ردو بدل کمی بیشی کرنے سے صاف الفاظ میں منع فرمادیا لیکن بسا اوقات کوئی اجنبی یا غیر وارث رشتہ دار وارثوں سے کہیں بڑھ کر کسی کی خدمت کرتا ہے اور وہ شخص اس کا معاوضہ اسے دینا چاہتا ہے یا کسی کارخیر میں حصہ لینا چاہتا ہے تو اسے بھی محروم نہیں کیا گیا بلکہ جائیداد کے ۳/۱رحصے میں اسے وصیت کرنے کا حق دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حد ۳/۱ر مقرر فرمادی اور وصیت کی اجازت صرف ان لوگوں کیلئے دی گئی ہے جو وارث نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر وارث کیلئے بھی وصیت جائز رکھی جاتی تو پھر قواعد میراث بالکل معطل ہو کررہ جاتے۔ اس لیے حضور رحمت عالم نے فرمایا: ان اللہ اعطی کل ذی حق

حقه فلا وصیة الوارث یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے اس لئے اب کسی وارث کیلئے وصیت کی اجازت نہیں۔ بعض لوگ وارث کو وصیت سے محروم کرنے اور وصیت کو ۱/۳ تک محدود کرنے پر بڑے برافروختہ ہوتے ہیں ،کاش وہ اسلام کے حکیمانہ نظام میں غور وفکر کرتے تو یہ ان کیلئے بہت ہی اچھا ہوتا۔

نکاح احادیث کی روشنی میں

اسلام اپنے ماننے والوں کو ہرگز ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ وہ جوگیوں اور راہبوں کی طرح شادیوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو شخص طاقت رکھتے ہوئے میری سنت سے اعراض کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ مشکوٰۃ باب النکاح میں ہے: من اراد ان یلقی اللہ طاهراً مطهراً فلیتزوج الحرائرہ۔ اللہ تعالیٰ سے جو شخص پاک صاف ملنا چاہے، اس کو شریف عورتوں سے شادی کرنی چاہئے۔ حضور پاک علیہ السلام نے فرمایا: اذا تزوج العبد فقل استکمل نصف الایمان۔ بندہ جب شادی کرلے تو سمجھ لو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ مسلم شریف کی حدیث ہے آقائے دو عالم نے فرمایا: الدنیا کلها متاع وخیر متاع الدنیا المراۃ الصالحة. پوری دنیا ایک متاع ہے اور اس دنیا کی بہترین سرمایہ نیک بیوی ہے۔ بخاری ومشکوٰۃ کی حدیث ہے: رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا: یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانه اغض للبصر واحصن للفرج. اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو اسبابِ مقاربت کی استطاعت رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ شادی کرلے کیونکہ شادی دل ونظر کی تجاوز کیلئے ایک بہترین

پہریدار ہے۔

اسلام کا فلسفۂ ازدواج

عورت کو اللہ تعالیٰ نے مردوں کیلئے سامانِ تفریح نہیں بنایا بلکہ ان دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے۔اگر غور کیا جائے تو اسلامی ازدواج کا سارا فلسفہ ان دو لفظوں میں رکھ دیا گیا ہے۔شادی کا مقصد صرف لذت طلبی نہیں، بلکہ حصول اولاد ہے تاکہ اس کی وجہ سے تمہارا نام باقی رہے اور ان کے اعمال صالحہ سے تمہارے مرجانے کے بعد بھی تمہارے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے اور اگر تم لذت طلبی میں ہی عمر برباد کر کے دنیا سے چل دیئے تو تمہارا نام تک مٹ جائے گا اور اگر اولاد ہوئی اور اس کی تم نے صحیح تربیت نہ کی، ان کے اخلاق اور سیرت کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا وہ جاہل، بدعمل، بدکار بن گئے تو تمہیں یاد تو کیا جائے گا لیکن ایسی برائی کے ساتھ کہ اس سے تمہیں اگر یاد نہ کیا جاتا تو ہزار بار بہتر تھا، نیز اولاد کی خواہش ہے تو پہلے ایسی نیک بیوی تلاش کرو جو اگر خالد اور طارق کو جنم نہ دے سکے تو کم سے کم نیک اور سعادت مند بچوں کی ماں تو بن سکے۔اس لیے اپنے لئے ایسی بیوی منتخب کرو جو نیک اور پاکباز ہو کیونکہ اگر ردّی زمین میں تخم ریزی کرو گے تو اچھی کھیتی کی توقع عبث ہے۔

فیملی پلاننگ نا قابل معافی گناہ ہے

(۱) فیملی پلاننگ (نس بندی) اسلام میں حرام ہے۔قرآن پاک میں اس کی حرمت کا اعلان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا** یعنی اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ قتل کرو۔ہم ہی روزی دیتے ہیں انھیں بھی اور تمہیں بھی۔بلاشبہ اولاد کا قتل کرنا بہت بڑا گنا ہے۔(۲) صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت عبداللہ بن مسعود نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔آپ نے فرمایا یہ کہ تو کسی کو خدا کا شریک ٹھرائے حالانکہ اس اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔میں نے پوچھا اس کے بعد۔فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔میں نے کہا اس کے بعد۔فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے۔

اس کافرانہ ذہنیت کی تردید کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نسل کو بڑھاؤ کیونکہ کل قیامت کے دن دیگر انبیائے کرام کے امتوں کے مقابلے میں میں اپنی امت کی کثرت کو دیکھ کر فخر کروں گا۔(۳) علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ ضبط ولادت کیلئے کوئی بھی ذرائع یا طریق اختیار کرنا فیملی پلاننگ کے مساوی ہے کیونکہ اس میں بھی مقصد نسل کشی ہی ہے اس لئے یہ بھی حرمت ہی میں داخل ہے۔جزیرۂ عرب ایسا ملک تھا جہاں چارسو ریگزار ہی ریگزار پھیلے ہوئے تھے جہاں کوئی چشمہ جاری ہوتا وہاں کھجور کے چند درخت اگ آتے اور معمولی سی کھیتی باڑی ہو جاتی۔بارش بھی بہت کم برستی جہاں کہیں کسی علاقے میں بارش کا پانی رک جاتا تو قافلوں کے قافلے ادھر کا رخ کرتے اور جب تک پانی کا آخری قطرہ تک خشک نہ ہوجاتا وہیں پڑے رہتے۔غرضیکہ خوشحالی کا وہاں تصور تک نہ کیا جاسکتا تھا۔ایسے میں جبکہ اپنا پیٹ بھرنا مشکل ہو وہاں اولاد کی خوراک کا بندوبست کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا ہے اس لئے معاشی خستہ حالی کے باعث ان کے یہاں اولاد کو قتل کرنے کا عام رواج تھا۔لڑکیوں کے متعلق تو ان کا رویہ بہت ہی سنگدلانہ تھا۔ایک تو وہ انہیں بوجھ سمجھتے تھے کیونکہ رہزنی اور قزاقی جو ان کے سب سے بڑے وسائل معاش تھے اس میں لڑکے تو حصہ لے لیتے لیکن لڑکیاں بڑی ہو کر بھی اس میں ان کا ہاتھ نہیں بٹا سکتی تھیں اس لئے وہ ان کے لئے نا قابل برداشت بوجھ تھیں۔نیز غلط قسم کی نخوت نے ان کے

دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر وہ کسی کو اپنی لڑکی کا رشتہ دیں گے تو ان کی ناک کٹ جائے گی۔ انھیں تمام محرکات کے باعث لڑکیوں کا قتل ایک عام معمول ہو گیا تھا۔ یہ حالت صرف عرب کے بادیہ نشینوں کی ہی نہ تھی بلکہ کئی دوسری قومیں بھی اپنی اولاد کو اپنے لئے نا قابل برداشت بار گراں تصور کرتی تھیں اور ان سے رہائی حاصل کرنے کیلئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لائی جاتی تھی۔ آج بھی جب انسانی حقوق کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ اولاد کو کم کرنے کی کوشیش تیز ہوتی جاری ہیں۔ فیملی پلاننگ (نس بندی) کے ذریعہ نسل کشی کی جارہی ہے اور اب تو با قاعدہ اس کام نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے جس کی پشت پناہی کیلئے حکومتوں نے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ روٹی روزی کے خوف سے بعض مسلمان اس فیملی پلاننگ کو اپنائے ہوئے ہیں جو اسلامی شریعت میں حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے۔ ایسے لوگ قیامت کے دن خدا اور رسول خدا کو کیا منہ دکھائیں گے جب رب العالمین ان سے سوال کرے گا کہ اے میرے بندے! تیری اور تیری اولاد کا رزق مہیا فرمانا ہم نے اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا تھا۔ حتیٰ کہ تو ابھی شکم مادر ہی میں تھا مگر پھر بھی ہم نے رزق ماں کے پستان میں دودھ کی شکل میں مہیا کر دیا تھا۔

مذکورہ آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی کی روزی کسی کے ذمہ نہیں۔ سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ. یعنی روئے زمین پر جتنی بھی جاندار مخلوق ہیں سب کو زرق دینا اللہ کے ذمۂ کرم میں ہے۔ دنیا میں اَن گنت قسم کے جانور ہیں اور ہر قسم کے ایسے افراد ہیں کہ ان کا شمار کرنا بس میں نہیں۔ مگر وہ رب العالمین چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ممولے سے لے کر شہباز تک، مینڈھک اور جھینگے سے لے کر مگر مچھ تک ہر جانور کو اس

کی مخصوص خوراک مطلوبہ انداز پر بلا ناغہ پہنچارہا ہے تو جب کمتر مخلوق کی خوراک کا مہیا کرنا اس کے ذمۂ کرم میں ہے تو تو افضل ترین مخلوق ہے۔

اسلام نے نسل کشی کو بہت بڑی غلطی کہا ہے۔ اگر اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو فرانس وغیرہ ممالک پہ نظر ڈالئے۔ جنھوں نے فیملی پلاننگ اور مصنوعی ذرائع (نرودھ یا مانع حمل کی گولیاں) سے ضبط تولید کر کے اپنی تعداد کو گھٹایا اور جب جرمن فوجیں ان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے پاس ایسے نوجوانوں کی شدید قلت تھی جو مادر وطن کی حفاظت کیلئے میدان جنگ میں سینہ سپر ہو سکیں۔ فرانس کو اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اور اسے فیملی پلاننگ کے پلان کو ہمیشہ کیلئے ملک کی فہرست سے خارج کر دیا۔ سوچئے تو سہی! ایسا اقدام جس سے قوم اور وطن کی آزادی خطرے میں پڑ جائے اس کو اگر بڑی غلطی نہ کہا جائے تو کیا اسے دانشمندی کہا جائے؟

مسلمان اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیں کہ دنیا میں اسی قوم کی حکومت بنتی ہے جو اکثریت میں ہوتی ہے۔ اقلیتی قوم کی حکومت نہ کبھی بنی ہے اور نہ ہی کبھی بنے گی۔ گویا ایسی قوم سیاسی اعتبار سے بھی مفلوج مغلوب اور محکوم ہو جاتی ہے۔ اے مسلمان! ہوش میں آ! اب دنیا کی ہر قوم بیدار ہو چکی ہے، خوابِ غفلت سے اٹھ اور اسلام کا سچا پرستار بن جا۔ خدا کی نافرمانی ترک کر دے۔ اپنے اعمال بد پر شرمندہ و نادم ہو کر صدق دل سے توبہ کر لے۔ اللہ غفور الرحیم ہے۔ وہ تیرے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

نیز جس طرح کسان کی ظاہری خوشحالی بلکہ بقا کا انحصار اس کے کھیت کی حفاظت و نگہداست اور خدمت پر ہے اور اس کے لئے دلی وابستگی ضروری ہے اسی طرح تمہارا تعلق اپنی رفیقۂ حیات سے دلی وابستگی کا ہونا چاہیے۔ غرضیکہ آپ جتنا غور کریں گے شادی کے مقاصد اور فرائض نکھر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔

تعدد ازواج کا فلسفہ

اسلام کے دشمن خصوصاً اہل مغرب نے تعدد ازواج کے مسئلے پر بڑی لے دے کی ہے اور وہ مسلمان بھی اس کے متعلق بہت پریشان رہتے ہیں جن کے نزدیک خیرو شر اور حسن وقبیح کا صرف وہی معیار قابل قبول ہے جو ان کے ذہنی مربیوں نے مقرر کر رکھا ہے اس لیے اس کے متعلق اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند حقائق پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

اول: بیک وقت چار عورتوں سے شادی کرنا یہ حکم نہیں، جس کی پابندی اہل اسلام پر لازم ہو بلکہ یہ ایک رخصت ہے۔

دوم: رخصت بھی بے قید وشرط نہیں بلکہ سخت قیود سے مقید اور سنگین شرائط سے مشروط ہے۔

سوم: طب جدید وقدیم اس پر متفق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے جداگانہ ہے۔

چہارم: مرد میں جنسی رغبت عورت سے کہیں زیادہ ہے جس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو مدت دراز تک مختلف نازک سے نازک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مثلاً استقرار حمل، وضع حمل، رضاعت اور ننھے بچوں کی تربیت یہ سارے مرحلے اسے یوں مشغول رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی طلب کم ہی رونما ہوتی ہے لیکن مرد ان تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے۔

پنجم: اکثر ممالک میں عورتوں کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ میدان جنگ میں مرد ہی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جنگ کے شعلوں کے نذر ہوتے ہیں۔ اس لیے عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہی وہ حقائق اور عقدۂ لاینحل ہیں جن کا عمل پیش کرتے ہوئے اسلام نے

ضرورت کے وقت ایک سے زائد بیوی سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، خود یورپ کے کئی مفکر اپنے معاشرے کی اخلاقی پستی اور اس میں ایسی عورتوں اور نا جائز بچوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر چیخ اٹھتے ہیں اور برملا کہنے لگے ہیں کہ اب اسلام اور قرآن کے قانون پر عمل کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ آج یورپ اور امریکہ، برطانیہ اور فرانس اپنی تمام سائنسی ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوش ربا اضافہ کے باعث سخت پریشان ہیں۔ یو این او کی رپورٹ کے مطابق بعض یورپی ممالک میں حرامی بچوں کی شرح پیدائش ساٹھ فیصد تک بلکہ اس سے بھی زائد تک پہنچ گئی ہے۔

اگر دو بیویوں میں عدل قائم نہ کرسکو تو ایک ہی کافی ہے

اسلام نے اہل اسلام کو اجازت دی ہے کہ بیک وقت ایک مرد چار عورتوں سے شادی کرسکتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی تم ان عورتوں سے شادی کرو جو تمہیں پسند ہوں ایک ایک، دو دو، تین تین، چار چار، بس اس سے زیادہ نہیں مگر ہم نے اس رخصت کا اکثر نا جائز فائدہ اٹھایا ہے۔ ہمارے یہاں گنتی کے چند افراد کے سوا جو لوگ بھی دوسری شادی کرتے ہیں، ہوس رانی اور لذت طلبی کے بغیر ان کے پیش نظر کوئی چیز نہیں ہوتی۔ نیز نئی نویلی دولہن کے حضور میں یوں متاع ہوش لٹا دی جاتی ہے کہ پہلی بیوی کے جملہ حقوق فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔ شریفانہ برتاؤ تک نہیں کیا جاتا۔ اس کے شکم سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی اپنے ہوش باختہ باپ کی شفقت سے یکسر محروم ہو جاتی ہے، ہم خود ذرا انصاف کریں اور سوچیں کہ کیا خدائے بزرگ و برتر کا اس کے رسول مکرم کا ہمیں یہی حکم ہے۔ دین اسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔ قرآن تو یہ کہتا ہے

کہ اگر تم دونوں بیویوں میں عدل (برابری) قائم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو صرف ایک ہی بیوی کی اجازت ہے۔ کاش! مسلمان اپنے بداعمالیوں سے اپنے پاکیزہ دین کو داغدار نہ کریں اور اپنے حسن وعمل سے اسلام کی تعلیمات کی صداقت کو نمایا کرنے کے بجائے اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے باعث طالبانِ حق اور متلاشیانِ ہدایت کو اس سے متنفر کرنے کا سبب نہ بنیں۔

ایک عورت کو بیک وقت چار مردوں سے شادی کی اجازت کیوں نہیں

آج کل اسلام کے دشمن کہتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے تو ایک عورت کو بیک وقت چار مرد رکھنے کی اجازت کیوں نہیں دی۔ یہ ایک بیہودہ سوال ہے، جس کا جواب یہ ہے کہ مرد فطرتاً ازدواجی تعلقات میں کسی دوسرے کی شرکت کا قائل نہیں۔ دوسرے یہ کہ چند شوہر میں نسبی تعلق مشکوک ہوتا ہے جبکہ اولاد سے تعلق انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

ایک مرتبہ چالیس عورتوں پر مشتمل ایک وفد باب العلم مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ اسلام نے مردوں کو ایک ساتھ زائد بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے لیکن عورتوں کو ایک سے زائد شوہر رکھنے کی اجازت نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا یہ عورتوں کیساتھ نامناسب امتیازی سلوک نہیں۔ یہ سن کر مولائے کائنات امیر المومنین نے پانی سے بھرے ہوئے پیالے لانے کے لیے کہا۔ سب عورتیں اپنے اپنے گھروں سے تھوڑی دیر کے بعد پانی سے لبریز پیالے لے کر آ گئیں۔ آپ نے فرمایا اس بڑے برتن میں اپنے اپنے پیالوں کا پانی ڈال دو۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ پھر حکم دیا کہ اچھا اب اپنے اپنے پیالوں میں دوبارہ پانی بھر لو لیکن خیال رہے کہ برتن میں سے وہی پانی اپنے پیالوں میں نکالنا جو تم نے اس میں انڈیلا تھا۔ عورتوں نے عرض کیا یہ کیسے ممکن ہے۔ سب

پیالوں کا پانی باہم مخلوط ہو گیا۔ اب اس کی علیحدہ پہچان کرنا ممکن نہیں۔ تب حضرت امیر المومنین نے ارشاد فرمایا سنو! جس طرح تم سب کا پانی مل کر ایک ہو گیا ہے اور اس کی پہچان ختم ہو گئی بعینہ اگر ایک عورت کے ایک سے زائد شوہر ہوں گے تو وہ خواہی نخواہی ان سب کے ساتھ ہم بستر ہو گی اور حاملہ ہونے پر اس کے لیے یہ معلوم کرنا کیسے ممکن ہو گا کہ وہ نطفہ کس شوہر کا ہے اور اسی صورت حال سے مرد بھی دو چار ہو گا۔ باب العلم کا یہ معقول جواب سن کر عورتوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

نوٹ: بعض علماء نے اس واقعہ کو امام اعظم ابوحنیفہ کی جانب منسوب کیا ہے۔ (نوری)

آج امریکہ اور مغربی ممالک میں ایک زوجگی کی رسم صرف قانون کی کتابوں تک محدود ہے۔ ورنہ حقیقتاً داشتاؤں اور فاحشہ عورتوں کے ساتھ جسمانی تعلق رکھنا امریکہ اور یورپ کے مردوں کا شیوۂ حیات ہے۔ اسلام ایسی رذیل حرکت کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مرد کسی عورت کے ساتھ باقاعدہ شادی کرے اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کی بحیثیت باپ تمام ذمہ داریاں قبول کرے یہی اسلام کا مطالبہ ہے۔

میاں بیوی ایک دوسرے کے لباس ہیں

قرآن میں مرد عورت کے باہمی تعلقات کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان فرمایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** یعنی وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔ اس لحاظ سے دونوں کے حقوق اور فرائض مساوی ہیں۔ پھر لباس کی تعبیر کتنی معنی خیز ہے بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ لباس جسم کیلئے پردہ ہے۔ ہر عیب کو چھپاتا ہے۔ زینت ہے حسن و جمال کو نکھارتا ہے۔ راحت ہے سردی اور گرمی سے بچاتا ہے۔ اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا ایک اچھی بیوی اپنے

خاوند کیلئے اور ایک اچھا خاوند اپنی بیوی کیلئے پردہ، زینت اور راحت نہیں؟ یقیناً ہے۔ جس ملت کے گھر میں زوجیت کا یہ بلند تصور ہو اس کے لئے یہ دنیا جنت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلام پر یہ اعتراض کرنے والے کہ اس نے عورت کے حقوق کو پامال کر دیا ہے۔ اگر وہ قرآن کا مطالعہ کریں تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ ہاں اسلام نے ملت ابراھیمی کی بیٹیوں کے چہروں سے شرم وحیا کا نقاب نوچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے عورت کو محفل رقص وسرور کی زنیت بننے کی اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل دین ہے۔ انسانی فطرت کا سب سے بڑا نباض ہے۔ اس کا اپنا نظام، اپنا قانون اور اپنا ضابطۂ حیات ہے۔ کسی کو پسند آئے یہ بات یا نہ پسند آئے، کوئی خوش ہو یا ناخوش۔

اسلام کو ہر دل عزیز بنانے اور اسے تہذیب مغرب سے ہم آہنگ کرنے کیلئے اس کے سادہ لوح بہی خواہوں نے اس کے فطری خدوخال میں جس وقت قطع وبرید گوارہ کر لی اس دن اسلام بحیثیت ایک مستقل ضابطۂ حیات کے ہم سے چھین لیا جائے گا۔ (اللہ اس روزِ بد سے بچائے)

اگر عورت نافرمان ہو جائے تو...

حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اچھی بیوی کی پہچان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بہترین بیوی وہ ہے جسے جب تو دیکھے تو تو مسرور ہو جائے۔ اسے حکم کرے تو وہ تیری اطاعت کرے اور اگر تو کہیں باہر جائے تو وہ تیری غیر حاضری میں اپنے عزت وعصمت اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔

ایک مسلمان خاتون کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیے اس کی وضاحت مذکورہ حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ بیوی کا اس سے بلند معیار تصور ہی

نہیں کیا جاسکتا۔خودسوچئے اسلام ایک بیوی سے کیا توقع رکھتا ہے۔اوراس طرح اس کے مقام کو کتنا بلند کر دیتا ہےاوراس مرد سے زیادہ کوئی خوش قسمت نہیں ہوسکتا جس کی رفیقۂ حیات ان خوبیوں کی مالک ہو۔دنیا کی سب سے بہترین پونجی نیک سیرت بیوی ہے۔لیکن پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوا کرتیں۔اچھی خواتین کے ساتھ ساتھ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو تندمزاج اور کج شرست ہوا کرتیں ہیں، ان کی اصلاح کا طریقۂ تعلیم یہ ہے جو اسلام نے ہمیں بتایا ہے کہ پہلے انھیں نرمی سے سمجھاؤ اور اگر فہمائش موثر ثابت نہ ہوتو پھران کو بستر سے الگ کردواور محبت بھری باتیں کرنا ترک کردو۔وہ عورت جس میں شرافت کی حس ابھی زندہ ہے۔وہ اس سرزنش سے ضرور اپنی اصلاح کرلے گی لیکن اگر یہ طریقۂ کار بھی مفید ثابت نہ ہوتو پھرتم اس کو مار بھی سکتے ہولیکن ایسی سخت نہ ہوجس سے جسم پر چوٹ آجائے۔حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اگر مارنے کی نوبت آئے تومسواک یااس قسم کی ہلکی چیز سے مارے۔

آج کل جہلاء اپنی بیویوں کو بھینسوں کی طرح پیٹتے ہیں۔اس کی اجازت قطعاً اسلام نے نہیں دی ہے۔اگر عورت اپنی سرکشی سے باز آجائے اور اپنے شوہر کی فرمانبردار، وفادار بن جائے تو پھر شوہر پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے رویہ کو یکسر بدل دے اور عورت پر کسی طرح کی ظلم وزیادتی نہ کرے۔یہ حکم اس خدا کا ہے جو احکم الحاکمین ہے۔لیکن اگر آپس کی یہ کوششیں اصلاحِ حال کیلئے مفید ثابت نہ ہوں اور ایسے آثار رونما ہونے لگیں کہ اگرصورتِ حال پہ قابو نہ پایا گیا تو معاملہ طلاق پر جاکر ختم ہوگا تواس وقت میاں بیوی اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کرلیں جوان کی شکایات سن کران کا باہمی تصفیہ کردیں۔یادونوں کے خاندان ثالث مقرر کریں اوراگر معاملہ عدالت تک پہنچ گیا ہوتو پھر حاکم کو چاہیے کہ وہ جلد بازی سے ان میں تفریق نہ کر دے بلکہ حکم کے ذریعہ ان کی مصالحت کی بھرپور کوشش کرے اورمیاں بیوی کو چاہیے کہ وہ

صلح سمجھوتہ کرلیں۔ اللہ ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو ضرور جوڑ دے گا۔

خلع کیا ھے: اگر خاوند عورت کو مارتا پیٹتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا یا عورت کو اپنے خاوند سے ایسی نفرت ہوگئی ہے کہ اب ان کی صلح و سمجھوتہ کی کوئی توقع نہیں اور خطرہ پیدا ہوگیا کہ اگر یہ نکاح کے بندھن میں بندھے رہے تو یہ طرح طرح کی معصیتوں اور جرائم میں مبتلا ہو جائیں گے اور طرفین میں بگاڑ بہت ہی پیدا ہوگا اور زندگی جہنم بن جائے گی تو اب کیا کیا جائے؟ اس مشکل مسئلے کا حل اسلام نے بیان فرمایا ہے جسے فقہ کی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے یعنی اگر صورت مذکورہ پیدا ہو جائے تو عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے اور حاکم پہلے ان کی مصالحت کی کوشش کرے گا۔ اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کر دے اور ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے یہی خلع ہے۔ اور اس کا حکم طلاق بائن کا ہے۔ مگر فقہائے احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر زیادتی خاوند کے طرف سے ہے تو اسے خلع کرتے وقت بیوی سے کچھ لینا مناسب نہیں اور اگر بیوی کے طرف سے ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لینا اس سے مباح ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔ اور بعض دیگر علماء نے فرمایا کہ زیادہ بھی لے سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ جو ثابت بن قیس کی نکاح میں تھیں ایک مرتبہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اَلَا اَنَا وَلَا ثَابِتٌ لَا يَجْمَعُ رَاسِيْ وَرَاسِهٗ شَيْءٌ۔ یعنی میں اور ثابت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ میر سر اور اس کا سر ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتا۔ حضور نے فرمایا تم وہ باغ واپس کرنے کیلئے تیار ہو جو ثابت نے تم کو مہر میں دیا تھا؟ جمیلہ نے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں۔ حضور نے وہ باغ ثابت کو واپس کر دیا اور ان میں تفریق کر دی۔

طلاق اور طلاق دینے کا طریقہ

طلاق کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ یہ تو زندگی کا ایک المناک حادثہ ہے۔ جائز چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہی ہے۔ یک بیک تین طلاق دینے والوں پر لعنت اور ملامت کیا گیا ہے۔طلاق دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر قطعِ تعلق کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہے تو مرد اپنی بیوی کو جب وہ حیض سے فارغ ہو صحبت کرنے سے پہلے ایک طلاق دے پھر دوسرے ماہ میں جب وہ حیض سے پاک ہو تو صحبت کرنے سے پہلے دوسری طلاق دے۔پہلی طلاق کو رجعی اور دوسری کو بائن کہا جاتا ہے۔ پہلی صورت میں وہ رجوع کرسکتا ہے اور دوسرے میں نکاح ٹوٹ جائے گی بعد عدت دوبارہ نکاح ضروری ہے۔ پھر تیسری ماہ جب عورت حیض سے فارغ ہو تو صحبت سے پہلے تیسری طلاق دے۔اب نکاح کا تعلق ہمیشہ کیلئے ٹوٹ گیا اور وہ عورت اس پر غلیظ کی طرح ہوگئی۔تیسری طلاق کو طلاق مغلظہ کہتے ہیں۔اب بغیر حلالہ کے وہ عورت اس پر حلال نہیں ہوگی۔

حلالہ کی صورت

بعد عدت جب تک وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے اور پھر دوسرا خاوند ہمبستری کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کی نکاح میں نہیں جاسکتی۔ یہ اسلام کا واضح ارشاد ہے، جس میں کسی قسم کی تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔اصطلاحِ شرع میں اسے حلالہ کہا جاتا ہے۔اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَعن الله المحلل والمحلل له** یعنی حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کیلئے حلالہ کیا جارہا ہے اس پر

بھی اللہ کی لعنت اور پھٹکار۔کیا کسی مومن کیلئے اس سے بھی کوئی سنگین سرزنش ہوسکتی ہے؟ حلالہ دراصل ہماری غیرت وخودداری کوٹھیس لگانے کیلئے بطورسزا کیا گیا ہے تا کہ آپ عورت کو پیر کی جوتی نہ سمجھیں کہ جب چاہا پہنا اور جب چاہا نکال دیا۔نیز مرد کو جواتنی مہلت دی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے اس فیصلے پر ایک بار نہیں بار بار غور کرے اور اگر اپنے اس فیصلے کو وہ واپس لینا چاہے تو دو بار تک واپس لے سکتا ہے، لیکن اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو گویا اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس عورت کو کسی قیمت پر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔اس کے بعد اسے یہ حق نہیں کہ پھر رجوع کرتا پھرے اور عورت کو اپنی خواہشات کا کھلونہ بنا رکھے۔

یہ اسلام کا قانونِ طلاق ہے۔اب اس کا موازنہ کریں۔ہندوؤں، یہودیوں اور عیسائیوں کے قانون سے کہ جو ایک بار نکاح کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا۔اب حالات کیسے بھی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہو جائیں چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں۔آخر کار انھیں اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے صرف ایک ہی راستہ دکھائی دیتا ہے خودکشی یا موت، جیسا آپ نے اخباروں میں پڑھا ہوگا۔ٹی وی میں دیکھا بھی ہوگا کہ کتنے لوگ ہیں جو زندگی سے تنگ آ کر اپنے آپ کو اس بندھن سے چھڑانے کیلئے اپنی جان تک دے دی۔کیا اس سے یہ بہتر نہیں کہ بیوی طلاق لے کر اور خاوند طلاق دے کر دونوں علیٰحدہ ہو جائیں۔آپ فیصلہ کریں۔اسلام ہر موڑ پر آپ کی خیر خواہی کا طالب ہے۔اس لیے وہ ایسے اقدام کی سخت مخالفت کرتا ہے اور اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ آپ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالیں یا ہلاک کرلیں۔اسلامی شریعت کی یہی وہ امتیازی نظام اور قانون ہے جس کا مقابلہ دنیائے قدیم وجدید کا کوئی نظام قانون نہیں کرسکتا۔کاش! ہم اسلام کے قوانین کو سمجھتے اور اس پر عمل کرتے تو آج ذلت ورسوائی کا سامنا نہ ہوتا۔

عدت کی حکمت

اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو بیوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہاں سے اٹھے اور جھٹ دوسرے شخص سے جا کر بیاہ رچالے جیسا کہ یہود کے یہاں قاعدہ تھا۔ مگر اسلام اسے یہ حکم دیتا ہے کہ وہ تین حیض گذرنے کی مدت تک صبر کرے اس کے بعد اسے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اس مدتِ انتظار کو شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ اس میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اس مدت میں خاوند چاہے تو رجوع بھی کرسکتا ہے۔ (بشرطیکہ اس نے تیسری بار طلاق نہ دی ہو) نیز اس عرصے میں اگر عورت حاملہ ہے تو بھی پتہ چل جائیگا اور یہ چیز خاوند کو رجوع کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام کو اس پیدا ہونے والے بچے کے حقوق کا پاس ہے کہ وہ مجہول النسب نہ ہوجائے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ دورانِ عدت عورت چونکہ خاوند کے نسب کی حفاظت ونگہداشت کیلئے محبوس ہے اس لیے اس کے اخراجات کی تمام تر ذمہ داری شرعاً خاوند پر عائد ہوتی ہے۔ اور یہی عین انصاف بھی ہے۔

ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں نہ کی ایک

تفسیر روح البیان اور تفسیر کبیر میں ہے کہ اگرچہ چند طلاقیں ایک دم دینا حرام ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم دے دی تو تمام واقع ہوجائے گی جس پر آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ اور اقوال علماء گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۔ (پ ۲۸، سورہ الطلاق: آیت ۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی طلاق دینے والا طلاق دے کر شرمندہ ہوجاتا ہے اور پھر اس کا اعلان نہیں کرسکتا۔ اگر ایکدم تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوئی تو

ندامت کے کیا معنی؟ اس جگہ بھی یہی ارشاد ہوا کہ اللہ کی حدیں توڑنے والا یعنی تین طلاقیں ایک ساتھ دینے والا ظالم ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ اس کی طلاق واقع نہ ہوگی اگر ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو یہ ظالم کیوں کر ہوتا۔ طبرانی وبیہقی نے روایت کی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی عائشہ خشمیہ کو ایکدم تین طلاقیں دے دیں بعد میں خبر ملی کہ وہ بہت روتی ہیں تو فرمایا کہ اگر میرے والد نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی ایکدم تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت بغیر حلالہ کئے اسے جائز نہیں تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو جائز رکھا۔ امام مالک، امام شافعی، ابوداؤد اور بیہقی نے معاویہ ابن عباس سے روایت کی کہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس کی خدمت میں ایک سوال ہوا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کر دیں گی کہ بغیر حلالہ کئے نکاح ثانی درست نہ ہوگا۔ عبداللہ بن عباس نے اس کی تائید فرمائی۔ بیہقی نے بسّام صیرفی سے روایت کی ہے کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاق دے دے تو وہ عورت اس پر حرام ہوگئی۔ بیہقی ہی نے مسلمہ ابن جعفر احمس سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر بن محمد سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی تین طلاقیں ایکدم دے اسے ایک ہی ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا جو تین دے گا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ تمام صحابہ کرام نے اس پر اجماع کیا اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط اجماع نہیں کر سکتے۔ نیز جبکہ شوہر کو تین طلاق دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ تین دے اور ایک پڑے۔

مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے، فعل کے حرام ہونے سے قانون نہیں بدلتا، تین طلاقیں ایک دم دینا بے شک سخت منع ہے مگر جب وہ دے دے طلاق واقع کیوں نہ ہو۔ چوری کے چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو جانور یقیناً حلال ہو جائے گا اس کی پوری بحث تفسیر روح المعانی میں دیکھئے۔ جمہور علماء خصوصاً چاروں ائمہ کا یہی مذہب ہے کہ ایکدم تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جائے گی۔ لہٰذا موجودہ وہابیوں کا اس کی مخالفت کرنا گمراہی ہے۔

عورتوں کو پردہ کا حکم

اسلام کے نزدیک عفت وعصمت کی جو قدر ومنزلت ہے اس کے پیش نظر یہ احکام صادر فرمائے جارہے ہیں۔ ان راستوں کو ہی بند کیا جارہا ہے، ان اسباب کا ہی قلع قمع کیا جارہا، جن کے ذریعہ اس متاعِ گرانمایہ کے لٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کوئی زیرک قیمتی جواہرات رکھ کر اپنے گھر کے دروازے چوروں کیلئے نہیں کھولتا۔ جو لوگ اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ ان کے گھروں کی خواتین، ان کی بچیاں، بہنیں پختہ کردار کی مالک ہیں وہ اگرچہ بھڑکیلے اور زرق برق ملبوسات پہن کر بے پردہ گھومتی رہیں تو ان کی عزت وآبرو پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ انھیں ہم نرم سے نرم الفاظ میں بھولا کہہ سکتے ہیں اور ان کا یہ بھولا پن انھیں ایک روز ایسے گڈھے میں پھینک دے گا جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ فطرت انسانی کے حیوانی تقاضوں کی شدت سے ان کی دانستہ چشم پوشی انھیں ایسے بھیانک نتائج سے دوچار کردے گی کہ ان کا قلبی سکون برباد اور ذہنی توازن بگڑ کر رہ جائے گا، اس وقت وہ پچھتائیں گے جب چڑیا کھیت چگ گئی ہوگی۔ اس وقت وہ زار وقطار روئیں گے لیکن ان کو اپنے درد کا درماں نہیں ملے گا۔

اسلام جہاں زندگی کے تمام پیچیدہ مسائل کو حل کرتا ہے وہیں انسانی سوسائٹی کی

اچھی طرح حفاظت بھی کرتا ہے۔ اسلامی سوسائٹی کیلئے اسلام کا ایک معاشرتی قانون پردہ بھی ہے۔ اسلام نے عورت کی شرافت کو برقرار رکھنے کیلئے پردہ کو لازم اور فرض قرار دیا ہے۔ جس پر عمل کرنا ہر عورت کیلئے نہایت ہی ضروری ہے۔ عورت کی حقیقی پوزیشن یہ نہیں ہے کہ وہ بازار کی تاجرہ، دفتر کی کلرک، عدالت کی جج، محفل کی رقاصہ، پارلیمنٹ کی ممبر اور فوج کی سپاہی بنے۔ بلکہ اس کے عمل کا صحیح ترین میدان اس کا اپنا گھر ہے جہاں بیٹھ کر وہ اپنی عصمت وآبرو کی اچھی طرح حفاظت کر سکتی ہے۔ عورت کیلئے پردہ ویسے ہی ضروری ہے جیسے موتی کیلئے چمک اور پھول کیلئے خوشبو۔

مدینہ منورہ میں یہود ومشرکین کی کافی تعداد تھی جن کے اوباش نوجوان شرم و حیا کی قدروں سے ناواقف اور فسق وفجور کے دلدادہ تھے۔ ان کی دوسری کمینہ حرکات کے علاوہ ایک رذیل عادت یہ بھی تھی کہ جب عورتیں اپنے گھروں سے کسی ضروری کام کیلئے نکلتیں تو وہ ان کا دور دور تک تعاقب کرتے خصوصاً شام کے دھند لکے میں۔ جب مستورات قضائے حاجت کیلئے باہر جاتیں تو راستوں پر نشیبی جگہوں پر درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو جاتے اور جب کوئی عورت ادھر نکلتی تو اس کو پھانسنے کی کوشش کرتے۔ یہ ان کے یہاں عام دستور تھا۔ اس کو زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے بڑے بوڑھے بھی ایسی حرکتوں کو جوانی کی خرمستیاں کہہ کر ٹال مٹول کر دیا کرتے تھے۔ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب (مدینہ منورہ) کی سرزمین کو اپنے قدم ناز نبوت سے مشرف فرمایا اور مسلمان خواتین کو بھی ضروری کاموں کیلئے گھر سے نکلنا پڑتا تو وہ اوباش یہی رذیل حرکتیں کرتے۔ اور اگر انہیں ٹوکا جاتا تو وہ کہتے کہ ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ مسلم خاتون ہے ورنہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی اس تکلیف کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں کیا تو وحی کا نزول ہوا جس میں فرمایا گیا کہ اے نبی آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی دختران پاک

نہادا اور تمام مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر سے اپنے کو اچھی طرح لپیٹ لیا کریں پھر اس کا ایک پلو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان خاتون ہے۔ اس طرح کسی بد باطن کو انہیں ستانے کی جرأت نہ ہوگی۔

پردہ کی اہمیت

آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے اور نوجوان عورتوں نے جس طرح شرم وحیا کی چادر کو اتار کر پھینک دیا ہے۔ ننگے سر، نیم عریان لباس میں جس طرح وہ بن ٹھن کر پھرتی ہیں انھیں دیکھ کر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ دختران اسلام ہیں۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں قبیلہ بنوتمیم کی چند عورتیں حاضر ہوئیں۔ انھوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا انہیں دیکھ کر ام المومنین نے فرمایا:

اِنْ كُنْتُنَّ غَيْرَ مُؤْمِنَاتٍ فَلَيْسَ هٰذَا بِلِبَاسِ الْمُؤْمِنَاتِ وَاِنْ كُنْتُنَّ غَيْرَ مُؤْمِنَاتٍ فَتَمَتَّعْنَ. (یعنی اگر تم مومن عورتیں ہو تو کان کھول کر سن لو یہ لباس مومن خواتین کا نہیں ہوتا اور اگر تم مومن نہیں ہو تو پھر جو چاہو کرو۔)

اسلام نے مسلمانوں کو جو تہذیب اور ثقافت عطا کی ہے وہ بہترین تہذیب اور عمدہ ثقافت ہے مگر افسوس آج مسلمان اپنی تہذیب و تمدن کو چھوڑ کر غیروں کے تہذیب و اطوار کو اپنائے ہوئے ہیں جبکہ اسلامی تہذیب سے بڑھ کر دنیا میں کوئی اور تہذیب ہی نہیں۔ اب اگر ہمارے قائدین اپنی ملت کی بچیوں کو کوئی دوسری تہذیب سکھانا چاہیں اور مغربی تمدن و معاشرت کی تعلیم دینا چاہیں تو ان کی مرضی۔ اسلام نے، قرآن نے اور صاحب قرآن نے تو مسلمان عورتوں کیلئے اس حیا سوز اور غیرت باختہ طرز معاشرت سے سختی سے روکا ہے۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کچھ عورتیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! مرد ساری فضیلتیں لے گئے، جہاد میں شرکت کا شرف بھی انھیں نصیب ہوتا ہے، کیا کوئی عمل ایسا ہے جو ہم کریں اور ہمیں مجاھدین کا درجہ حاصل ہو۔ **فقال علیہ السلام من قعدت منکن فی بیتھا فانھا تدرکُ عمل المجاھدین فی سبیل اللہ** ارشادفرمایاتم میں سے جوعورت اپنے گھر میں بیٹھے گی یعنی پردہ کرے گی تو اسے مجاہدین فی سبیل اللہ کا درجہ ملے گا۔ پردہ کی اہمیت کے متعلق یہ حدیث پاک بھی قابل غور ہے جسے امام ترمذی نے عبداللہ ابن مسعود کی روایت سے نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ علیہ وسلم ان المراۃُ عورۃٌ فاذا خرَجتْ من بیتھا اشترفھا الشیطانُ و اَقربُ مَاتَکُونُ مِن رحمۃ ربِّھَا وَ ھی فی قعرِ بیتھا. یعنی حضور پاک علیہ السلام نے فرمایا عورت کا مستور اور با پردہ رہنا ہی بہتر ہے جب وہ گھر سے بے پردہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکنے لگتا ہے اور جب تک وہ اپنے گھر کے چہار دیواری میں رہتی ہے یعنی با حجاب رہتی ہے تو وہ رحمت الٰہی سے قریب تر ہوتی ہے۔

بے پردگی تمام برائیوں کی جڑ

آج معاشرہ میں تمام برائیاں بے پردگی کی وجہ سے ہیں۔ اس دور میں ادب لحاظ شرم و حیا غیرت سب غائب ہے۔ مرد عورتیں بے پردہ جانوروں کی طرح کھلے، بازاروں، سڑکوں اور شہر کے پارکوں میں بے حیائی کی حرکتیں کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، گارڈن اور سڑکوں پر نئے نئے جوڑے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دوش بدوش دیکھے جاسکتے ہیں اور بعض تو اتنے بے شرم ہو گئے ہیں کہ ٹرینوں اور بسوں میں بھی حیا سوز حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ یقین جانیے انسانی سوسائٹی کی شرافت اور پردہ کی روح اسی طرح آہستہ آہستہ مرجاتی ہے۔ ہمارے معاشرے سے پردہ اٹھ جانے کے باعث برائیاں اس قدر نقطۂ عروج کو چھورہی ہیں کہ جس کی انتہانہیں ہے، ہماری فیشن پرست

لڑکیوں کو فیشن کے بھوت نے بالکل ننگا کر دیا ہے۔اس ننگے پن اور بے پردگی سے پیدا ہونے والی برائیوں کو روکنے کیلئے اسلام نے لباس اور ستر پوشی کے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔ان حدود کو تجاوز کرنا انسانیت کے لیے ایک بہت بڑے خطرے کا الارم ہے۔

طلوع اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہوجانے میں کوئی شرم وعار نہیں ہوتی تھی اور آج بھی یہی حال ہے۔ان تمام سوسائٹیوں کا جو اسلام کی تعلیم سے محروم ہیں، آج کچھ انسانی طبقوں میں ننگا رہنا ایک مذہبی بات سمجھی جاتی ہے اور برہنہ مردوں کا درشن کرنا نیکی کا کام سمجھا جاتا ہے۔جبکہ اسلام میں ستر پوشی، پردہ، شرم وحیا ایمان کا ایک حصہ ہے اس لیے اسلام نے ستر پوشی فرض قرار دیا ہے۔اسلام ایسے لباس اور کپڑوں کو پہننا نہایت سختی کے ساتھ منع کیا ہے جسے پہن کر جسم برہنہ دکھائی دے۔ایک بار اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما ایسا لباس پہن کر رسول پاک کے سامنے آئیں جس میں جسم جھلک رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے۔اسی طرح بنت عبدالرحمان ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔وہ ایک باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔حضرت ام المومنین نے اس کو پھاڑ دیا اور ایک موٹی اوڑھنی ان پر ڈال دی۔حضور پاک علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بے پردہ اور عریاں دکھائی دیتی ہیں۔حضرت عمر فاروق اعظم کا ارشاد ہے کہ اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو بدن پر اس طرح چست ہو کہ سارے جسم کی بناوٹ ظاہر ہونے لگے۔

پردے کے سلسلے میں اسلام نے جو پابندیاں ہم پر عائد کی ہیں آج ان پر اگر عمل کیا جائے تو انسانی معاشرے سے وہ تمام برائیاں اور فتنے جو بے پردگی کے راستے سے داخل ہوئی ہیں ختم ہو سکتی ہیں۔بے پردگی اور عریانیت کی وجہ سے جذبات

میں جوطوفان اور ہیجان پیدا ہوتا ہے اور اس کے باعث خیالات میں جو آوارگی اور گمراہی آتی ہے وہی انسان کو ان خرابیوں تک پہنچا دیتی ہے، جس سے اسلام اپنے معاشرے کو پاک وصاف رکھنا چاہتا ہے۔ اسلام نے اس بات سے بھی روکا ہے کہ آدمی اپنے گھروں میں بھی اچانک داخل نہ ہو۔ یہ اس لیے کہ کہیں عورتوں پر اس حال میں نظر نہ پڑ جائے جس حال میں انھیں ان کے سامنے نہیں آنا چاہئے۔ اسی طرح کسی کے گھر میں جھانکنا بھی سخت منع ہے۔ اجنبی مرد کیلئے یہ حکم ہے کہ اگر وہ کچھ کہنا چاہے یا کچھ مانگنا چاہے تو باہر رہ کر پردے کی اوٹ سے مانگے۔ یہ پابندی اسلام نے اس لیے لگائی ہے تا کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان بے تکلفی نہ ہونے پائے اور ان کے جذبات کا رخ غلط نہ ہو جائے۔ اسی طرح اسلام کسی مرد کو غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں ملنے اور اس کے جسم کو چھونے سے (خواہ وہ قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو) منع کیا ہے۔ کیونکہ جب کوئی مرد اور عورت تنہائی میں ملتے ہیں تو جلدی سے شیطان وہاں پہنچ جاتا ہے اور ان کو گمراہ کر دیتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت عورت ہے یعنی چھپانے کی چیز ہے۔ عورت کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اجنبی مرد کی طرف دیکھے اگر وہ ایسا کرتی ہے تو وہ جہنمی ہے۔

ان ہدایات کی روشنی میں اگر ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں تو بہت سی باتیں قابل اعتراض نظر آئیں گی۔ کیا اسلام کی غیرت مند خاتون جو قیامت میں اللہ کی رضا اور رسول پاک کی شفاعت کی امید رکھتی ہے کیا وہ اس بات کا ارادہ کرنے کی ہمت کر سکتی ہے کہ وہ اپنے پیارے رسول کی بات نہ مانے اور بازاروں میں ننگے سر اور بے پردہ پھرے؟ اگر وہ ایسا کرتی ہے تو وہ اسلام کی وفادار خاتون نہیں۔

کاش! ہم نے سوچا ہوتا

آج مسلمانوں کا تہذیب، رہن سہن اور طور طریقہ بالکل غیروں جیسا ہو گیا

ہے۔مسلم گھرانوں کی لڑکیاں دن بدن اسلامی تہذیب سے دور ہوتی چلی جارہی ہیں۔ غریب گھرانے کی لڑکیوں میں اب بھی شرم وحیا اور پردہ کچھ حد تک باقی ہے مگر عموماً کھاتے پیتے گھرانوں میں جو اپنے آپ کو بہت زیادہ تہذیب یافتہ سمجھتے ہیں ان میں بالکل پردہ نہیں۔ڈسکو اور انگلش کا بھوت ان کے سروں پر سوار ہو کر ان کی بیٹیوں کو سر بازار ننگا نچا رہا ہے۔کتنی غیرت کی بات ہے کہ جس عورت کو اسلام نے عزت کی زندگی دی تھی آپ نے اسے دنیا کی ہر موڑ پر بے پردہ گھما کر پستی اور ذلت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ پردہ جو اسلام کا ایک معاشرتی قانون ہے آج معاشرے سے بالکل اٹھ چکا ہے۔آج عورت اپنی پوزیشن اور مقام بالکل کھو چکی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کا اصل مقصد زندگی نسل انسانی کی افزائش ہے، اس لئے اسلام عورت کا گھر چھوڑنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ آفسوں اور دفتروں میں جہاں مرد ہی مرد ہوتے ہیں ننگے، بے حجاب ہو کر گھومے یا کارخانوں یا کھیتوں میں مزدوری کرتی پھرے۔ ہاں اگر کوئی مرد یعنی اس کا شوہر، باپ، بھائی یا اور کوئی عزیز رشتہ دار خاندان میں ایسا نہ رہے جو اس کی کفالت کر سکے تب تو وہ روزی کمانے کیلئے گھر سے نکل سکتی ہے۔مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلام عورت کو اپنا گھر چھوڑنے کی اجازت اس وقت دیتا ہے جب کوئی واقعی شدید ضروریات زندگی یا مجبوری لاحق ہو کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو، لیکن عام حالات میں جب کوئی خاص مجبوری نہ ہو اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ عورت خواہ مخواہ اپنے گھر کو چھوڑ دے۔

آج معاشرہ میں جو برائیاں پائی جارہی ہیں ان برائیوں کو پھیلانے میں بے پردگی پٹرول کی طرح کام کر رہا ہے۔اس لیے جب تک بے پردگی کا خاتمہ نہیں ہوگا ایک صحت مند معاشرہ کبھی بھی وجود میں نہیں آسکتا۔

اسلام اور مساوات

اسلام نے جہاں دیگر معاملات میں دنیا والوں کی رہنمائی کی ہے وہاں اسلام کے اس احسان کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے سب سے پہلے دنیا کو انسانی مساوات کا سبق دیا۔ اور یہ سبق اس دور میں دیا جب دنیا رنگ ونسل، چھوٹے بڑے کے امتیازات میں بری طرح مبتلا تھی۔ ایسے نازک دور میں اسلام ساری دنیا کیلئے ایک پیام امن لے کر آیا اور اس نے ان تمام فاسد خیالات اور شیطانی نظریات کا خاتمہ کیا جو انسانی برادری کیلئے مصیبت بنی ہوئی تھیں۔ اسلام کے آنے کا اعلیٰ ترین مقصد یہی ہے کہ تمام انسانی برادری کے ساتھ خلوص ومحبت، ہمدردی اور مساویانہ طریقے سے پیش آیا جائے۔ اسی لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو **رحمۃ للمسلمین** نہیں بلکہ **رحمۃ للعالمین** کہا گیا۔ پیغمبر رحمت دنیا کے تمام انسانوں کیلئے ایک مساویانہ نظام لے کر آئے۔ آپ کا پیام امن (اسلام) دنیا کے انسانوں کیلئے راہ نجات ہے۔ آپ کا لایا ہوا سسٹم تمام سسٹموں سے جامع اور بہترین ہے۔ کیونکہ یہ دنیا سے فاسد خیالات اور تمام ظالمانہ نظام کو مٹانا چاہتا ہے اور اس کی جگہ ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ کوئی چھوٹا ہو اور نہ کوئی بڑا، نہ کوئی غلام ہو اور نہ ہی کوئی آقا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

دور جاہلیت کے عرب

اسلام سے قبل دور جاہلیت کے عرب دیگر خرابیوں کے ساتھ ساتھ تفاخر کی بیماری

میں بری طرح مبتلا تھے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے برتر، اشرف اور اعلیٰ خیال کرتے تھے۔ ان سب میں خاندانِ قریش کے فخر ومباحات کی شان ہی الگ تھی اور تفاخر کا یہ نظریہ فقط جاہل اور غیر مہذب عربوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر جو تہذیب یافتہ قومیں آباد تھیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی صورت میں اس بیماری میں مبتلا تھیں۔ کہیں اپنی نسل اور قومیت پر فخر کیا جا رہا تھا، کہیں ان کے وطن کی سرزمین ان کے بڑائی اور برتری کا باعث تھی، کہیں زبان اور رنگ وجہ افتخار بنے ہوئے تھے۔ اس فاسد نظریئے نے مختلف قوموں کو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر قوم اپنی نسلی شرافت اور اپنی خطۂ زمین کی عظمت کے باعث اپنا یہ حق سمجھتی تھی کہ وہ دوسرے مما لک کو تخت وتاراج کرے، ان کی دولت کو لوٹے، ان کے باشندوں کو اپنا غلام بنائے اور انھیں اپنے مقاصد کی حصول کیلئے استعمال کرے۔ اس شرانگیز نظریے کے باعث جنگ وجدال کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہا اور شرف انسانی کی قبا تہذیب و تمدن کے علمبرداروں کے ہاتھوں تار تار ہوتی رہی۔ آریوں اور دراوڑوں کی جنگ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اور یہ گمراہیاں صرف اس زمانے میں ہی موجود نہ تھیں بلکہ آج بھی ان کی ہلاکت آفرینیوں سے انسانیت کی جبیں عرق آلود ہو رہی ہے۔

ہندوستان : بھارت جسے دنیا بھر میں سب سے بڑا جمہوری اور سیکولر ملک ہونے کا دعویٰ ہے یہاں آج بھی طبقاتی امتیازات جوں کے توں قائم ہیں۔ بھارت کے طول وعرض میں اس بیسویں صدی میں بھی اچھوت (دلت، آدی واسی، ہریجن) نہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے مندروں میں جا کر پوجا پاٹ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی پی سکتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ کچھ ایسے بھی دھرم کے پجاری آپ کو ملیں گے کہ اگر ان کی نظر کسی اچھوت پر پڑتی ہے تو وہ فوراً اشنان کر لیتے ہیں۔ اس کو جاننے کیلئے کاشی اور ترو پتی کے دو مندروں کو دیکھ لینا کافی ہوگا۔ ہندو گنگا

کوسب سے 'پوتر' ندی کہتے ہیں جس میں ایک ڈبکی لگالے تو ان کے عقیدے کے تحت سارے پاپ دھل جاتے ہیں لیکن مردہ لاشوں سے سڑے بدبودار پانی صاف کرنے کا ٹھیکہ انھوں نے ایک اچھوت کمپنی کو دیا ہے۔ اسی طرح بہت سی مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کیلئے پیش کی جاسکتی ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں قریب ہی میں دیکھ لیجئے۔ جگناتھ پوری مندر کے پنڈتوں نے آنجہانی اندرا گاندھی کو مندر کے اندر اسلئے داخل نہیں ہونے دیا کہ وہ ایک پارسی سے شادی کر کے ان کی نظروں میں اچھوت بن گئی تھیں۔

امریکہ اور جنوبی افریقہ

امریکہ میں سفید فاموں (گوروں) کے اسکول اور کالج تک مخصوص ہیں جہاں سیاہ فام حبشی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ جنوبی افریقہ میں آج بھی رنگ ونسل پر جنگ جاری ہے۔ اپنی قومی برتری کا یہی وہ غرور تھا جس نے جرمن قوم میں ہٹلر کا روپ اختیار کیا اور کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

وطنیت ،قومیت ، رنگ ونسل اور زبان کے بتوں کی پوجا آج بھی اسی زور وشور سے ہو رہی ہے۔ اسلام نے ان تمام فاسد بنیادوں کو منہدم کر دیا جس پر مختلف قوموں نے اپنی اپنی برتری اور شرافت کے ایوان تعمیر کر رکھے تھے۔ فرمایا اے لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو۔ تمہاری نسل کا سلسلہ اسی ایک (آدم وحوا) سے جا کر ملتا ہے۔ تمہارا خالق بھی ایک ہی ہے۔ تمہاری پیدائش کا طریقہ بھی ایک جیسا ہے۔ اتنی بڑی یکسانیت کے باوجود تمہارا ایک دوسرے پر برتری کا دعویٰ سراسر کم فہمی اور نادانی ہے۔ تمہارا مختلف شعوب وقبائل میں بٹنا اس لئے نہیں کہ تم ایک دوسرے قبیلے کو حقیر سمجھو اور اپنے آپ کو اشرف واعلیٰ خیال کرو بلکہ خاندان، ذات پات اور قبیلے اس لئے بنائے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور باہمی معاملات میں گڑبڑ پیدا نہ ہو۔

نجات کا دارومدار حسب ونسب پر نہیں

ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر جو معزز ومحترم ہوگا وہ فخر وغرور سے یکسر پاک ہوگا اور ایسے شخص کا وجود نہ صرف اپنے ملک اور قوم کیلئے باعث خیر وبرکت ہوگا بلکہ تمام نوع انسانی اس کے فیوض وبرکات سے سے مستفیض ہوتی رہیں گی۔ چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر بڑے اثر انگیز انداز میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک شاندار خطبہ ارشاد فرمایا:

> ''اے لوگو! انسانوں کے بس دو ہی گروہ ہیں۔ ایک نیک اور پرہیز گار جو اللہ کے نزدیک محترم ہے۔ اور دوسرا بدکار، بدبخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ یاد رکھو! نجات اور بخشش کا دارومدار کسی قوم ونسب سے وابستگی پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ لائق تعظیم وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیز گار ہو۔ لوگو! تمہارا خون ایک دوسرے پر محترم ہے۔ آج زمانۂ جاہلیت کے تمام رسم ورواج میں اپنے پیروں تلے کچل رہا ہوں۔ اے لوگو! کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ نے پہنچا دیا۔ فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب ونسب کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ لوگو! اللہ

تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے اعمال کی طرف دیکھتا ہے اس لیے اپنے اعمال درست کرو اور نیت میں اخلاص پیدا کرو۔''

مساوات کے متعلق بانیٔ اسلام کا طرز عمل

دنیا کی انسانی تاریخ میں بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو ایک عظیم بنیادی مقام حاصل ہے اس لیے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ انسانی مساوات کے متعلق خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا۔ سیرت نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی انسانی مساوات کی عملی تفسیر تھی۔ عام لوگوں جیسا ان کا لباس تھا جو دونوں جہان کے مالک ومختار تھے۔ عام لوگوں جیسا کھانا کھاتے تھے اور وقت پڑنے پر عام لوگوں کی طرح پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے تھے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جب مدینہ کی حفاظت کیلئے خندقیں کھودی جارہی تھیں تو پیغمبر اسلام نے خود بھی اپنے صحابہ کے دوش بدوش بھوکے رہ کر عام مزدوروں کی طرح کام کیا تھا۔ آپ کی نظر میں چھوٹے بڑے سب برابر تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مدینہ کے ایک بڑے اور رئیس خاندان کے عورت کے خلاف چوری کا الزام ثابت ہونے کی بنیاد پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم نافذ فرما دیا تھا۔ عورت چونکہ معزز اور رئیس خاندان سے تعلق رکھتی تھی اس لئے بعض اکابر صحابہ نے اس حکم کے بدلوانے کی کوشش کی تو اس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری پیدا ہوئی اور آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلی امتیں اسی لئے تباہ وبرباد ہوگئیں کہ ان میں سے جب کوئی چھوٹا آدمی کوئی جرم کرتا تو اسے سزا دیتے۔ اور جب کوئی بڑا آدمی وہی جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ خدا کی قسم! اگر خود میری بیٹی فاطمہ

بھی اس جرم کا ارتکاب کرتی تو میں اسے بھی یہی سزا دیتا۔

صرف اسی ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول رحمت انسانی مساوات کے کتنے بڑے علمبردار تھے۔ آج دنیا میں انسانی مساوات کی جتنی بھی تحریکیں ابھر رہی ہیں یہ سب اسلام ہی کی دین ہیں۔ ورنہ اسلام سے پہلے دنیا جانتی بھی نہ تھی کہ مساوات کیا ہے۔ اسلام نے جلوہ گر ہو کر شخصی اور خاندانی وجاہت کا خاتمہ کیا۔ کالے اور گورے کے فرق کو مٹایا۔ غلام اور آقا کے درمیان بلندی اور پستی کے دیواروں کو گرایا۔ رنگ و روپ، نسل پرستی، زبان، قومیت، صوبائیت وغیرہ کو کالعدم قرار دیا اور فرمایا کہ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ اسلام میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ کوئی بڑا۔ نہ کوئی غلام ہے اور نہ ہی کوئی آقا۔ صدیاں گزر گئیں اسلام کے علمبرداروں نے اس بت (اونچ نیچ) کو پاش پاش کر دیا۔

تاریخ اسلام میں ہے کہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک معمولی آدمی نے یزید بن ثابت انصاری کی عدالت میں ایک شکایت پیش کی۔ یزید بن ثابت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب کر لیا۔ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حاضر عدالت ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آتا دیکھ کر حضرت یزید بن ثابت جو اس وقت عدالت کے قاضی (جسٹس) تھے تعظیم کیلئے کرسئ عدالت سے کھڑے ہو گئے۔ تو یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق اعظم نے غصہ سے فرمایا کہ اے ابن ثابت! میں عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں۔ میں اپنے لئے کوئی امتیاز نہیں چاہتا اور اگر تم امتیاز برتو گے تو انصاف کیسے کر سکو گے؟

مساوات کی تشریح

ایک مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قیصر روم کے سامنے مساوات

انسانی کی تشریح ان الفاظ میں کیا تھا:

''اے قیصر روم! ہمارا بادشاہ (حاکم وامیر) ہم میں کا ایک فرد ہے جب تک کہ وہ کتاب وسنت کی پیروی کرے گا ہم اس کی حاکمیت باقی رکھیں گے۔ لیکن اگر وہ چوری کرے گا تو ہم اسے بھی یہی سزا دیں گے جو دوسرے چوروں کو دی جاتی ہے۔ یعنی اس کا ہاتھ کاٹ لیں گے اور اگر وہ زنا کرے گا تو ہم اسے سنگسار کریں گے۔ اگر وہ ہم میں سے کسی کو زخمی کرے گا تو دوسرا بھی اسے زخمی کریگا۔ وہ ہم سے چھپ کر عالی شان محلوں میں نہیں بیٹھ سکتا ہے اور نہ ہی وہ ہم پر حکومت کا رعب جما سکتا ہے۔ وہ ہم میں سے صرف ایک معمولی آدمی کا رتبہ رکھتا ہے۔ اور اس کے علاوہ کچھ اس کی حیثیت نہیں۔''

حاکم اور رعایا ایک ہی صف میں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے چوتھے خلیفہ ہیں۔ آپ کے پاس ایک زرع تھی جو اتفاقاً کہیں گم ہوگئی۔ ایک دن آپ کوفہ کے بازار میں کسی ضرورت کے تحت تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ زرع ایک نصرانی کے پاس ہے جو بیچ رہا ہے۔ حضرت علی اس وقت کے حکمران تھے۔ اگر آپ چاہتے تو اسی وقت زرع پر قبضہ کر لیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ نصرانی کے پاس آئے اور اس سے کہا یہ زرع میری ہے مگر وہ قائل نہیں ہو رہا تھا اور دینے سے صاف انکار کر رہا تھا۔ اتنے میں بات آگے بڑھی اور معاملہ عدالت تک جا پہنچا۔ قاضیٔ شریح جو اس وقت عدالت کے چیف جسٹس تھے انھوں نے بحیثیت قاضی پوچھا کہ اے امیر المومنین آپ کیا کہہ رہے ہیں بیان

دیجئے۔آپ نے فرمایا یہ زرع میری ہے اس لئے عدالت سے میرا مطالبہ ہے کہ یہ مجھے واپس دلائی جائے۔یہ سن کر قاضیٔ عدالت نے نصرانی سے پوچھا کہ اس سلسلے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔نصرانی نے کہا کہ امیر المومنین غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں یہ زرع میری ہے۔قاضیٔ شریح نے یہ سن کر امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔اے امیر المومنین!چونکہ آپ مدعی ہیں اس لئے اپنے دعوے کی ثبوت میں کوئی روشن دلیل پیش کیجئے۔آپ نے دو گواہ پیش کئے،جن میں ایک تو اپنے غلام کو اور دوسرے لڑکے حضرت امام حسن کو۔قاضیٔ شرع نے کہا اے امیر المومنین!میں آپ کے غلام قنبر کی گواہی تو تسلیم کر رہا ہوں مگر حسن کی گواہی کو نہیں مانتا ہوں۔اس لئے کہ اسلام کا اصول یہ ہے کہ والد کے حق میں بیٹے کی گواہی معتبر نہیں۔

حضرت علی اس وقت سلطنت اسلامیہ کے حکمران تھے۔اگر آپ چاہتے تو قاضی کو معزول کر دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور قاضی کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔نیز زرع کے بارے میں اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔یہ دیکھ کر نصرانی چیخ اٹھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔پھر اس نے وہ زرع امیر المومنین کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ واقعی یہ زرع آپ ہی کا ہے جو فلاں دن اونٹ سے گر گئی تھی اور جس کو ہم نے چپکے سے اٹھا لیا تھا۔مگر حضرت علی نے زرع نہیں لیا اور بخوشی اس کو دے دی۔مسلمان ہونے کے بعد وہ شخص آپ ہی کے پاس رہنے لگا۔بعد میں جنگ صفین میں آپ کے طرف سے لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔

مساوات کا بے مثال مظاہرہ

عہد فاروقی میں جب مسلم فوجیں بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھیں۔یہ دیکھ

کر وہاں کا سب سے بڑا پادری ایک دن قلعہ کی فصیل پر کھڑا ہو گیا اور مجاہدین اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم اہلیان شہر تم لوگوں سے صلح و سمجھو کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ شرائط صلح طے کرنے کیلئے خود امیر المومنین (حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) تشریف لائیں۔ اس واقعہ کے بعد ایک تیز رفتار قاصد مدینے کی طرف روانہ ہوا اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اطلاع پا کر آپ شرائط صلح طے کرنے کیلئے مدینہ سے چل پڑے۔ مگر حال یہ تھا کہ ان کے پاس صرف ایک ہی سواری تھی اور ساتھ میں آپ کا غلام بھی تھا۔ جب آپ شہر سے باہر آئے تو آپ نے غلام سے فرمایا کہ ہم دو ہیں اور سواری ایک ہی ہے۔ اگر میں سواری پر بیٹھوں گا اور تم پیدل چلو گے تو میں تمہارے اوپر ظلم کروں گا اور گر تم سواری پر بیٹھو اور میں پیدل چلوں تو تم گو یا میرے اوپر ظلم کرو گے اور اگر ہم دونوں سواری پر ایک ساتھ بیٹھ جائیں تو ہم اس کی کمر توڑ ڈالیں گے۔ اس لیے ہم دونوں باری مقرر کر لیں۔ مختصر یہ کہ باری مقرر کرنے کے بعد کبھی آپ اونٹ پر ہوتے اور غلام اونٹ کی نکیل پکڑے ہوتا۔ کبھی آپ اونٹ کا نکیل تھامے ہوتے اور غلام اونٹ کی پشت پر ہوتا۔ اس طرح غلام اور آقا دونوں باری باری اترتے اور بیٹھتے رہے، یہاں تک بیت المقدس قریب آ گیا۔ اتفاقاً سواری کے پشت پر بیٹھنے کی اس وقت باری غلام کی تھی اور آپ کو اونٹ کی مہار تھام کر چلنا تھا۔ غلام نے عرض کیا اے امیر المومنین! آپ کے لئے شہر کو دولہن کی طرح سجایا گیا ہے۔ آپ کے استقبال کی زور دار تیاریاں کی گئی ہیں۔ شہریوں کا ہجوم آپ کو دیکھنے کیلئے سیلاب کی طرح امڈا چلا آ رہا ہے۔ ایسے وقت میں جب لوگ آپ کے ایک ادنیٰ غلام کو اونٹ کی پیٹھ پر اور آپ کو نکیل تھامے پیدل چلتے دیکھیں گے تو اچھا تاثر نہیں لیں گے۔ اس لئے یہاں تو آپ ہی بیٹھئے میں اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتا ہوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: میں دوسرے کے

حق میں دست درازی کرنا پسند نہیں کرتا۔اونٹ پر بیٹھنے کا حق تمہارا ہے اسلئے اونٹ پر تم ہی بیٹھو گے خواہ اس کا اثر کچھ بھی ہو۔

آپ بیت المقدس کے دروازے پر اس حال میں پہنچے کہ غلام سواری پر تھا اور آپ نکیل تھامے ہوئے پیدل چل رہے تھے۔عدل ومساوات کا یہ خوشنما منظر دیکھ کر اہل فلسطین عش عش کرنے لگے۔اور پورا ملک آپ کے حوالے کر دیا اور کہا کہ جب آپ اپنے غلام کے حق کا اس درجہ خیال رکھتے ہیں تو یقیناً آپ اپنے رعایا کے حقوق کا بھی خیال رکھیں گے۔ہمارے حقوق کی حفاظت کرنے والا آپ سے بہتر اور بڑھ کر بھلا اور کون ہوسکتا ہے۔اس کے بعد اہلیانِ شہر نے آپ کے ہاتھوں پر صلح کر لئے اور اس طرح ایک قطرہ خون بہائے بغیر ۱۶ھ میں بیت المقدس فتح ہو گیا۔

خلفائے راشدین کی طرز زندگی سے آج کل کے حکمرانوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے جو اپنی کرسی کی بقا کیلئے انسانوں کو انسانوں سے لڑواتے ہیں پھر مگر مچھ کی طرح آنسو بہاتے ہیں اور شانتی کی اپیل کرتے ہیں۔درحقیقت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دنیا کے تمام حکمرانوں کے دلوں میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتے تھے کہ حاکم کو اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر اپنی ذاتی مفاد کیلئے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے بلکہ رعایا کا وفادار خادم بن کر اپنی تمام اختیارات کو رعایا کی خدمت گزاری میں صرف کرنا چاہئے۔آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حکمراں اپنی رعایا کے جان و مال کے تحفظ میں ناکام ہے تو اسے حکومت کی کرسی پر بیٹھنے کا قطعی کوئی حق ہی نہیں ہے۔آپ کا یہ فرمان آج کے تمام حکمرانوں کیلئے ایک تازیانہ عبرت ہے۔

یہ تمام تاریخی واقعات اسلامی عدل ومساوات کی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔

اسلام اور رہبانیت

اب ہم کتاب کا اختتام ایک اہم مضمون پر کررہے ہیں جس میں کلیسا کی ساری تاریخ لکھ دی گئی ہے اسلئے اس کو سمجھنے کیلئے خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

پہلے تو ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ رہبانیت کا لفظی معنیٰ کیا ہے۔ پھر رہبانیت کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ پر غور کریں گے۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ رہبانیت کی ابتدا کس نے کی اور کن حالات میں ہوئی۔ بعدازاں اس میں جو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں اور جس طرح رہبانیت سے عیسائی معاشرہ اور کلیسائی نظام متاثر ہوا اس کا ذکر کیا جائے گا۔

رہبانیت کا معنی اور مفہوم

لفظ ''رہبانیت'' یہ رہب سے بنا ہے جس کا معنیٰ خوف اور ڈر ہے۔ یعنی رہبانیت کا معنیٰ ہے وہ مسلک اور وہ طرز حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہو۔ دوسری صورت میں اس کا معنیٰ ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرز زندگی جو ہر وقت خدا سے ڈرنے والے اور خوفزدہ رہنے والے ہیں۔ علامہ راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ فرط خوف سے عبادت اور ریاضت میں حد درجہ غلو کرنا رہبانیت ہے۔ علامہ پانی پتی اس کی تشریح کرتے ہوئے اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ عبادت و ریاضت میں مبالغہ کرنا، لوگوں سے قطع تعلق، جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کرنا رہبانیت ہے۔ علامہ ابن منظور نے رہبانیت کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے کہ دنیا کے مشاغل کو ترک کردینا، اس کی لذتوں کو نظر انداز کردینا، اہل دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلینا، اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کردینا رہبانیت ہے۔ رہبانیت میں

بعض لوگ اپنے آپ کو خصی کر دیا کرتے تھے اور بعض لوہے کی زنجیریں ڈال لیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو طرح طرح کی عذابوں میں گرفتار کر لیتے تھے جو سراسر حرام ہے۔

رہبانیت کی ابتدا

اب یہ عرض کرنا ہے کہ رہبانیت کی ابتدا کن حالات میں ہوئی اور کن لوگوں نے کی۔ ہمارے پاس صحیح حدیث موجود ہے، جس سے حقیقت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک سواری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ حضور نے فرمایا اے ام عبد کے فرزند! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کو کہاں سے اختیار کیا۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جابر وظالم لوگ غالب آ گئے اور انھوں نے فسق و فجور کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ایمان نے غیرت ایمانی سے ان کے خلاف جہاد کیا۔ ان کے ساتھ جنگ کی لیکن تین مرتبہ انھیں شکست ہوئی اور صرف چند لوگ زندہ بچے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم نے پھر ان کے ساتھ لڑائی کی تو وہ ہم سب کو فنا کر کے رکھ دیں گے اور ایک شخص بھی ایسا نہیں بچے گا جو دین حق کی طرف لوگوں کو بلائے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم زمین میں منتشر ہو جائیں یہاں تک کہ وہ نبی مکرم تشریف لائیں جس کے آنے کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ پس وہ پہاڑوں کے غاروں میں منتشر ہو گئے اور انھوں نے رہبانیت کا آغاز کیا۔ ان میں سے تو کچھ لوگ اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور بعض نے کفر وشرک اختیار کر لیا۔ اس طرح اللہ کے یہ بندے اپنے دین وایمان کو بچانے کیلئے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر فروکش ہو گئے اور اپنی ساری زندگی عبادت

وریاضت میں بسر کردی۔ اس عزلت گزینی سے ان کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی تھا۔ بعد میں انھوں نے اس کو حصولِ دنیا اور حصولِ زر کا ذریعہ بنالیا۔ اور وہ اپنے وعدہ کو نبھا نہ سکے جیسا کہ نبھانے کا حق تھا۔

اسلام میں رہبانیت کی قطعاً گنجائش نہیں

قرآن اور احادیث نبوی سے یہ واضح ہوگیا کہ رہبانیت کو یہود ونصاریٰ نے ابتدا میں رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اختیار کیا تھا پھر بعد میں وہ اپنی مقصد سے ہٹ گئے اور اسے حصولِ دولت کا ایک ذریعہ بنالیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جبر وتشدد کی ان اوقات میں ان کا یہ ایک اضطراری فعل تھا۔ ان کے ذہن میں قطعاً یہ بات نہ تھی کہ دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کشی دین عیسوی کی روح رواں ہے۔ اس کے بغیر نہ انسان روحانی ترقی کرسکتا ہے اور نہ اسے قرب الٰہی کا شرف حاصل ہوسکتا ہے۔ انھوں نے جابر اور ظالم بادشاہوں کے ظلم وستم سے اپنے آپ کو اور اپنے ایمان کو بچانے کیلئے مجبوراً یہ قدم اٹھایا تھا۔

لیکن بعد میں آنے والوں نے اسی کو دین بنالیا اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس میں نئی اختراعات (اپنی طبیعت سے نئی بات پیدا کرنا) کا اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں نے اپنے اوپر ظلم وتشدد اور پابندیوں کا اتنا بوجھ لادلیا کہ زندگی وبال جان ہوگئی۔ کلیسا کے خانقاہی نظام اور ہند کے بت کدوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے کس طرح اپنی جائز خواہشات کا گلا گھونٹا۔ ازدواجی زندگی کو خیر باد کہی یہاں تک کہ جو شخص کسی مذہبی خدمات کو انجام دینے کیلئے مقرر ہوتا۔ اس کے لئے شادی شدہ ہونا بڑا عیب شمار کیا جاتا۔ غیر شادی شدہ آدمی اگر کلیسا کا عہدیدار بنتا تو اس کا شادی کرنا خارج از بحث تھا۔ لیکن جو لوگ پہلے سے شادی شدہ تھے ان پر لازمی تھا

کہ وہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات منقطع کردیں۔اسی طرح عورتوں کو بھی شادی نہ کرنے پر طرح طرح سے ترغیب دی جاتی۔

سینٹ جیرون ایک ممتاز مسیحی عالم ہے وہ کہتا ہے کہ جو عورت مسیح کے خاطر راہبہ (سادھوی) بن کر ساری عمر کنواری رہے وہ مسیح کی دولھن ہے، اور اس کی ماں کو خدا یعنی مسیح کی ساس ہونے کا شرف حاصل ہے (توبہ نعوذ باللہ صد بار نعوذ باللہ)

سنگ دل راہب

رہبانیت کے ضابطہ وقانون کے تحت ماں، باپ، بھائی، بہن اور اولاد سے بھی قطع تعلق روحانی مدارج طے کرنے کیلئے شرط اول تھی۔ جو لوگ رہبانیت اختیار کرتے وہ لوگ اس ضابطہ وقانون کے تحت عمر بھر اپنے اہل وعیال اور ماں باپ سے الگ تھلگ رہتے۔ ایسے بہت سے واقعات تاریخ میں درج ہیں جنھیں پڑھ کر دل کڑھتا اور رہبانیت کے اس سنگدلانہ طرز حیات پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ ایک دردناک واقعہ آپ بھی سماعت فرمائیں۔

سینٹ سیمون اپنے ماں باپ کو تڑپتا چھوڑ کر کسی کلیسا میں چلا گیا اور راہب بن گیا۔ ماں باپ کو اپنے بیٹے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ باپ تو اکلوتے بیٹے کی جدائی میں راہی ملک عدم ہوا۔ ماں تڑپنے اور رونے کیلئے باقی رہ گئی۔ اس پر پورے ستائس (۲۷) سال کا طویل عرصہ گزر گیا۔ جب اس سینٹ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو ماں کو اپنے بیٹے کی قیام گاہ کا پتہ چلا۔ وہ بوڑھی ماں راہ کی مشقتیں برداشت کرتی ہوئی وہاں تک پہنچی جہاں سینٹ کا قیام گاہ تھا۔ مگر اس کی قیام گاہ میں عورتوں کو داخلے کی اجازت نہ تھی اسلئے اسے کسی نے اندر جانے نہ دیا۔ اس نے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ میں تیری فرقت کی ماری تیری ماں ہوں اور صرف تجھے ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یا مجھے اندر آنے

کی اجازت دے یا خود باہر آ کر مجھے اپنے مکھڑے کی ایک جھلک دکھا جا۔لیکن اس سنگ دل بیٹے نے اپنی تڑپتی بلکتی ماں پر ذرا بھی ترس نہ کھایا اور ملنے سے صاف انکار کر دیا۔تین دن اور تین رات وہ بیچاری ممتا کی ماری دروازے پر پڑی منتیں کرتی رہی۔ آخر کار وہیں اس نے دم توڑ دیا۔اس وقت سینٹ صاحب اپنے حجرۂ خاص سے باہر تشریف لائے اور اپنی ماں کیلئے دعائے مغفرت کی۔اسے یہ خیال نہ آیا کہ جو بیٹا اپنی ماں کے بارے میں اس قدر سنگدل اور بے رحم ہے اس کی دعا کسی رحمت کی محتاج نہیں۔

فطرت کے تقاضوں سے جنگ

فطرت انسانی کے تقاضوں سے جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔عارضی فتوحات تو حاصل کی جاسکتی ہے لیکن کلیۃً ان کی بیخ کنی ناممکن ہے، بلکہ جب رُکے ہوئے جذبات سیلاب کی طرح امڈ کر آتے ہیں تو صبر وضبط کے سارے بند ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہی حال کلیسا کے خانقاہی نظام اور ہندومت کا ہوا۔بڑے بڑے برہمچاری، بڑے بڑے پوپ اور سینٹ دولت میں اپنے وقت کے قارونوں کو بھی مات کر گئے۔جن محلات میں وہ رہائش پذیر تھے ان کے سامنے شاہی ایوانوں کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ خانقاہیں جو کنواری راہبات (سادھوی) کیلئے مختص تھیں۔حرام کاری کے اڈوں میں تبدیل ہوگئیں۔ان کے فصیلوں کے پرے پر نوزائیدہ حرامی بچوں کی لاشیں اکثر پڑی ہوئی دکھائی دیتی۔کلیسا کی تاریخ کا یہ بڑا اندوہناک اور شرمناک بات ہے جو ان کے مورخین نے لکھا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی تاریخی شواہد ہیں جس سے حقیقت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے۔اگر کتاب کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو مزید کچھ اور صفحات قارئین کے نذر کرتا۔یہاں مختصراً صرف یہ انکشاف کرنا چاہتا ہوں کہ رہبانیت اختیار کرنے والوں

نے دجل وفریب سے کام لیا اور دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹا۔ مکاری ڈھونگ کا لبادہ اوڑھ کر عوام کو خوب بیوقوف بنایا اور آج بھی بنایا جا رہا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اپنے نفس کو وہ اذیت پہنچانے لگے۔ کسی نے اپنے آپ کو زنجیر وسلاسل میں جکڑ لیا۔ کسی نے بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد لیا، کسی نے اپنے اوپر نیند حرام کر لی تو کسی نے برہنہ ہونا ہی اپنا مذہب بنالیا۔ چنانچہ اسکندریہ کا سینٹ مکّاریوس ہر وقت اپنے جسم پر اسی پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا۔ چھ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ غرض کہ رہبانیت کی یہ تحریک کچھ اس زور سے چلی کہ عیسائی دنیا میں ایسی خانقاہوں جہاں راہب مرد اور راہبہ خواتین (سادھو اور سادھوی) آ کر جمع ہوگئیں۔ پھر زنا کاری کا دروازہ کھل گیا اور اللہ کی یہ زمین گناہوں کے بوجھ سے تھرا گئی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں اپنے ہی بغل میں جھانکئے اور جنوبی ہند کے بڑے بڑے مندروں میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ جانتے ہی نہیں۔ اس کو احاطۂ تحریر میں لانے کیلئے ہمارے پاس الفاظ بھی نہیں ہے۔

اپنے آپ پر ظلم نہ کرو

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دی۔ خواہشات نفس کی پیروی سے روکا۔ شیطان مردود کے مکر وفریب سے بچنے کی سخت تاکید کی۔ دولت کی محبت اور دنیاوی آسائشوں میں غرق ہونے سے منع کیا لیکن اس نے ترک دنیا اور نفس کشی کا وہ طریقہ اپنے ماننے والوں کو نہیں سکھایا جو عیسائیت اور ہندومت کے نظام رہبانیت کا خاصہ ہے۔ برعکس اس کے اسلام نے شادی کی اجازت دی ہے۔ اس نے کھیتی باڑی، تجارت اور صنعت کا شوق دلایا ہے۔ پاک وصاف رہنے کی تلقین کی ہے۔ ماں باپ، بھائی بہن اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی لازم قرار دی

ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس نے ہر شخص پر یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے نفس کا حق بھی ادا کرے اور اسے ایسی مشقت میں مبتلا نہ کرے جو صحت کیلئے نقصان دہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! اپنے نفسوں پر سختی نہ کیا کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم نے اپنے اوپر ناروا سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ راہب خانوں اور خانقاہوں میں ان کے باقی ماندہ لوگ موجود ہیں انھیں دیکھ لو۔

اسلام تم سے آسانی چاہتا ہے

ایک مرتبہ چند صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک صحابی نے کہا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں شادی نہیں کروں گا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو آپ نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم! تم میں سب سے زیادہ میں اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں، لیکن میرا معمول ہے کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سویا بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری اس سنت سے دانستہ روگردانی کی اس پر جنت حرام ہے اور اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر پر گئے۔ ہمارا ایک ساتھی ایک غار کے قریب سے گذرا جس میں ٹھنڈے چشمے کا پانی تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس غار میں آ کر رہائش اختیار کرے گا۔ پینے کیلئے پانی بھی موجود ہے۔ کھانے کیلئے سبزیاں کافی ہیں۔ دنیا سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو کر اپنا سارا وقت اللہ کی یاد میں بسر کرے گا۔ کہنے لگا میں رسول

اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا یہ ارادہ عرض کیا۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا۔ میں یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ ملت حنفیہ دے کر بھیجا گیا ہوں۔ یعنی ایک صاف ستھرا نظام لے کر آیا ہوں جس میں آسانی وفراخی ہے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان، ایک صبح یا ایک شام راہ خدا میں جہاد کرنا مجاہدین کی صف اول میں کھڑے ہونا ساٹھ سال کی نفل نماز سے افضل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت کیلئے رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت راہ خدا میں جہاد کرنا ہے۔ یہود ونصاری نے تو ظالموں اور جابروں سے اپنی جان اور اپنا ایمان بچانے کیلئے جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی لیکن غلامان مصطفےٰ کیلئے یہ طریقۂ کار روا نہیں کہ وہ ظالموں سے ڈر کر جنگل و بیابان میں چھپ جائیں۔ یہ اہل اسلام کی شان نہیں بلکہ ہر وقت باطل کے سامنے سینہ سپر رہنا۔ سیف وسنان۔ قلم وزبان سے معرکۂ جہاد گرم کرنا اور حق کی سربلندی کیلئے جان دے دینا اسلامی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

آج کا مسلمان اپنی مقصد زندگی کو بھول چکا ہے۔ جب تک مسلمان اس مقصد پر قائم رہے اور ان کے دلوں میں جذبۂ جہاد بیدار رہا تو اسلامی سلطنتوں کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر ہو گئیں۔ مگر جس دن سے جذبۂ جہاد ختم ہو گیا اس دن سے اسلام کی اشاعت رک گئی۔ اسلامی سلطنتوں کی سرحدیں سکڑنے لگیں۔ عربوں کی مقدس سرزمین فلسطین پر قبضہ کر لیا گیا۔ فرعونیت عام ہو گئی اور اہل اسلام پر ظلم و بربریت بڑھنے لگا۔

مذکورہ سطور سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں رہبانیت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے انسان دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے کوئی بھی نیکی اور بھلائی کا م نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بھلائی اور نیکی کرنے کیلئے انسانوں کو انسانی سوسائٹی کی ضرورت ہے جہاں وہ نیکیوں کا فصل اور پودا بخوبی لگا سکتا ہے۔